POSTED AT LPC Delhi RMS
ON 03-04 July 2025, R.N.I No. 2186/57

POSTAL REGN. NO. DL (C) - 01/1195/2024-26, Licensed to Post
Without Prepayment U (C) - 160/2024-26, ISSN 2456-8511

Total Pages
8

ہفت روزہ
ہماری زبان
HAMARI ZABAN
(Weekly)
اشاعت کا 86 واں سال

Date of Publication: 02-07-2025 • Price: 5/- • 8-14 July 2025 • Issue: 26 • Vol:84

۸تا۱۴؍جولائی ۲۰۲۵ء • شمارہ:۲۶ • جلد:۸۴

اُردو املا کا مجوّزہ قرطاسِ اسلوب

رؤف پاریکھ

اردو کے قرطاسِ املا سے پہلے یہ دیکھ لیا جائے کہ قرطاسِ اسلوب یا اسٹائل شیٹ (style sheet) کیا ہے؟ دنیا کی معروف اسلوبیاتی دستاویزات مثلاً شکاگو یونیورسٹی پریس یا اوکسفرڈ یونی ورسٹی پریس کے manual of style کو پیشِ نظر رکھا جائے تو اس سوال کا مختصر جواب یہ ہے کہ اسٹائل شیٹ (style sheet) یا اسٹائل مینول (style manual) یا قرطاسِ اسلوب ایسی دستاویز ہے جو ادارت وطباعت کا دستور العمل ہے۔ قرطاسِ اسلوب کسی ادارے کے تدوین وترتیب و ادارت اور طباعت سے متعلق اصول وضوابط کا مجموعہ ہوتا ہے جس میں یہ بتایا جاتا ہے کہ کسی تحریر (خواہ وہ کتاب ہو یا کسی اخبار کا اداریہ یا کوئی مقالہ) میں ترتیب و تدوین (editing)، حوالے (reference)، ہجا (spelling)، املا (orthography)، رموزِ اوقاف (punctuation)، قواعد (grammar)، مخفّفات (abbreviations)، ابواب بندی (chapterisation)، کتابیات (bibliography)، حواشی (footnotes/endnotes)، پروف خوانی (proof-reading) اور اقتباسات (quotations) وغیرہ کے اندراج کا انداز یا طریقہ کیا ہوگا۔ نیز یہ کہ ناموں کو لکھنے کا انداز یا طریقہ کیا ہوگا، لفظوں کے ایک سے زیادہ رائج املا کے ضمن میں املائی ترجیحات کیا ہوں گی، متن میں اگر اعداد ہیں تو انھیں کیسے لکھا جائے گا، حروف میں یا اعداد میں، املا اور حوالوں وغیرہ کے علاوہ لکھائی، طباعت اور وضع قطع سے متعلق امور کے بھی اصول اور معیار پیش کیے جاتے ہیں کہ خط (font) کا انداز اور قامت یا طول یعنی سائز (size) کیا ہوگا، ہر صفحے پر کتنی سطور ہوں گی، نیا پیراگراف سطر میں کہاں سے شروع ہوگا، (اگر کتاب ہے تو) خالی صفحہ کہاں چھوڑا جائے گا، (اگر رسالہ ہے تو) ادارتی امور کی وضاحت اور اس سے متعلق افراد کے ناموں کی نشان دہی کہاں اور کیسے ہوگی، صفحے کا طبع شدہ منطقہ (printed area) کتنا ہوگا اور جلد ساز کی جلد بندی (binding) اور تراش خراش (cutting) کے بعد رسالے یا کتاب کا سائز کیا رہے گا۔

گویا اسٹائل شیٹ یا قرطاسِ اسلوب کسی ادارے کی مطبوعات میں علمی اور معنوی امور کے اندازِ پیش کش کے ساتھ اس کی ظاہری ہیئت یا صورت اور وضع (lay out) کا بھی تعین کرتا ہے۔ اس طرح ادارے کے علمی و دستاویزی وطباعتی اصول بھی طے ہوجاتے ہیں اور وہ یکساں (unified) اور معیاری (standardised) بھی رہتے ہیں جس کی پابندی ادارے میں متعین کیے گئے تمام عملے اور قلمی معاونین/مصنّفین کو بھی کرنی ہوتی ہے (اور اگر وہ اس کی پابندی نہ کریں تو مدیران اپنا حقِ ادارت استعمال کرتے ہیں) کیوں کہ یہ اصول اور ضوابط ادارے کی سوچ اور پالیسیوں کی بھی عکاسی کرتے ہیں اور علمی وحوالہ جاتی امور کی ترجیحات بھی ظاہر کرتے ہیں۔

بالفاظِ دیگر قرطاسِ اسلوب یہ طے کرتا ہے کہ کسی ناشر، طباعتی ادارے یا علمی ادارے کے زیرِ اہتمام یا کسی اخبار یا رسالے میں جو کچھ شائع ہوگا اس کو لکھنے، پیش کرنے اور چھاپنے کا طریقہ اور انداز کیا ہوگا۔ انگریزی میں تو یہ بھی طے کیا جاتا ہے کہ کسی عہدے مثلاً پرائم منسٹر کو لکھتے وقت پی (p) اور ایم (m) حرفِ کبیر (capital letter) ہوگا یا حرفِ صغیر (small letter)، جسے طباعت کی اصطلاح میں upper case اور lower case کہا جاتا ہے۔ نیز یہ کہ واوین (inverted commas)، قوسین (brackets)، چوکور خطوطِ وحدانی یعنی قلابین (square brackets)، علامتِ وقفہ (comma)، تفصیلیہ (colon)، نیم ختمہ (semicolon)، ختمہ (fullstop) وغیرہ کا استعمال متن میں اور حواشی وکتابیات میں کہاں ہوگا۔

لیکن اردو میں قرطاسِ کار کا ذکر شاذ و نادر ہی ملتا ہے، بس چند ایک کوششیں ہوئی ہیں[۱] لیکن وہ بھی تحقیق کے ضمن میں ہیں۔ اردو میں البتہ املائی مسائل پر تو خاصا اظہارِ خیال کیا گیا ہے اور اردو املا کی معیار بندی کی بعض اداروں نے کوشش بھی کی ہے لیکن طباعت، اشاعت، ادارت کی معیار بندی اور یکسانی سے متعلق مسائل پر بہت کم لکھا گیا ہے۔ جب کہ مغرب میں اسٹائل شیٹ کی تاریخ اور اس کی اہمیت پر زور کو دیکھیں تو حیرت ہوتی ہے۔

مثال کے طور پر شکاگو یونی ورسٹی کے قرطاسِ اسلوب The Chicago Manual of Style کا شمار دنیا کی ان معروف ترین دستاویزات میں ہوتا ہے جو تحریر وطباعت میں اصول اور معیار کے لیے شائع کی جاتی ہیں۔ صحافت وطباعت کے ساتھ علمی تحقیق کی دنیا میں بھی اس کی حیثیت مسلّم ہے اور دنیا کی کئی جامعات اس ہدایت نامے (manual) کے پیش کردہ اصولوں پر عمل پیرا ہیں۔ اس کے اپنے دیباچے کے مطابق اس کی تاریخ ایک صدی سے زیادہ قدیم ہے اور ۱۹۰۶ء میں جس کام کا آغاز معمولی سی فہرست سے ہوا جس میں تحقیقی مقالوں میں حوالے اور کتابیات کے اندراج سے متعلق کچھ بنیادی نکات درج تھے۔ پھر رفتہ رفتہ اس فہرست میں حوالہ جات اور ماخذات کے طریقِ کار کے بارے میں طے شدہ اصولوں کا اضافہ ہوتا گیا جو بڑھتے بڑھتے ایک ضخیم کتاب کی شکل اختیار کر گیا اور وقفے وقفے سے اس کے ترمیم واضافہ شدہ ایڈیشن شائع ہونے لگے۔ شکاگو کے اس ہدایت نامے یا مینول کے اب تک سترہ ایڈیشن شائع ہوچکے ہیں جو نوسو سے ہزار صفحات تک پر مشتمل ہیں اور ہر دس بارہ سال کے بعد اس کا ترمیم واضافہ شدہ ایڈیشن شائع کیا جاتا ہے۔ اس کا سترھواں ایڈیشن ۲۰۱۷ء میں شائع ہوا۔

انگریزی میں قرطاسِ اسلوب کے ضمن میں ایک اور کام معروف طباعتی واشاعتی ادارے اوکسفرڈ یونی ورسٹی پریس کا ہے۔ انھوں نے اسے The Oxford Manual of Style کے نام شائع کیا۔ اس کا ایک ایڈیشن ۲۰۰۲ء میں شائع ہوا اور اس کا ذیلی عنوان تھا: The Essential Handbook for All Writers, Editors and Publishers

اس کا تازہ ایڈیشن ۲۰۱۶ء میں شائع ہوا ہے اور اس کا نام تھوڑا سا بدل کر New Oxford Style Manual کر دیا گیا ہے۔ شکاگو یونی ورسٹی کے مینول یا ہدایت نامے کی طرح اس کا آغاز بھی ایک صفحے پر مبنی ایک معمولی سے فہرست سے ہوا تھا جس میں موٹی موٹی باتیں درج تھیں۔ پھر اس میں اضافے ہونے لگے اور یہ بھی بڑھتے بڑھتے ایک ہزار صفحات سے بھی تجاوز کر گئی۔ دراصل اس کا آغاز ہوریس ہارٹ (Horace Hart) کی اس ایک صفحے کی فہرست سے ہوا تھا جو اس نے اوکسفرڈ یونی ورسٹی پریس میں طباعت کے لیے بنیادی قواعد وضوابط کے طور پر تیار کی تھی اور جو Hart's Rules کے نام سے مشہور ہوئی اور ضخامت میں بڑھتی چلی گئی۔ ان دو مثالوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ مغرب

قارئین! اب 'ہماری زبان' کا مطالعہ انجمن ترقیِ اردو (ہند) کی ویب سائٹ www.atuh.org پر بھی کر سکتے ہیں جہاں اِسے مفت میں ڈاؤن لوڈ کرنے کی سہولت بھی موجود ہے۔

کے علمی اور طباعتی و اشاعتی اداروں میں قواعد اسلوبِ تحریر وطباعت کو کب سے اور کتنی اہمیت دی جاتی ہے بلکہ بعض برطانوی وامریکی اخبارات اور اشاعتی وطباعتی اداروں نے اپنے اپنے کتابچے تیار کر رکھے ہیں جن میں ادارے کی املائی اور ادارتی ترجیحات کے ضمن میں رہنما اصول درج ہیں۔

یہ اور ان کے علاوہ بھی مغرب میں رائج دیگر اسلوبی قرطاس علمی اور تحقیقی کاموں میں بھی رہنمائی کرتے ہیں اور طباعت کے بھی معیار متعین کرتے ہیں۔مثلاً: AP, APS, AMA اور دیگر کئی جن کا ذکر سرِدست ممکن نہیں اور نہ ان مذکورہ بالا رائج اسالیب (اے پی اور اے پی ایس وغیرہ) کی تفصیل یہاں دی جاسکتی ہے۔عرض یہ کرنا ہے کہ تحقیقی کاموں کی methodology یعنی طریق کار یا تحقیقی اصولیات (جسے فارسی والے روش شناسی اور عربی والے منہج کہتے ہیں اور جس کا غلط اردو ترجمہ رسمیات کیا گیا ہے) کے علاوہ اردو املا کے انتشار اور نراج کو دیکھتے ہوئے اردو املا کے ایک قرطاسِ اسلوب کی بھی شدید ضرورت ہے۔معذرت کہ یہاں بھی ایک انگریزی کتاب کا حوالہ دینا پڑے گا۔ اوکسفرڈ نے ایک کام New Oxford Dictionary for Writers and Editors کے عنوان سے شائع کیا ہے۔اس کا دوسرا اضافہ شدہ ایڈیشن ۲۰۱۴ء میں شائع ہوا اور اس میں تقریباً پچیس ہزار اندراجات ہیں جو الفاظ کے املا کے علاوہ افراد اور مقامات کے ناموں کے درست اور مستند ہجے بھی پیش کرتے ہیں۔

اوکسفرڈ کا اسی نوعیت کا ایک اور کام New Oxford Spelling Dictionary ہے اور یہ بنیادی طور پر لکھاریوں اور مدیروں کے لیے مرتب کی گئی ہے۔اس میں انگریزی الفاظ کے درست ہجے، متبادل یا مختلف ہجے (variant spelling)، برطانوی اور امریکی انگریزی میں مستعمل مختلف ہجے، مرکبات میں ہائفن (hyphen) (یعنی چھوٹی عمودی لکیر جو لفظوں کو جوڑنے کے لیے انگریزی میں استعمال ہوتی ہے) کے اصول، سطر کے اختتام پر لفظ کو توڑ کر بقیہ حروف اگلی سطر میں لکھنے کے اصول، غیر زبانوں بالخصوص یونانی اور لاطینی الفاظ کی جمع انگریزی کے قاعدے سے لکھنے کے قاعدے وغیرہ بتائے گئے ہیں۔یہ کام پہلی بار ۱۹۸۶ء میں شائع ہوا۔اس کے بھی کئی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں اور ہمارے سامنے اس وقت ۲۰۰۵ کا ایڈیشن ہے۔

عرض یہ کرنا ہے کہ اردو میں بھی ایسے کاموں کی ضرورت ہے۔کم از کم ایک ایسی لغت یا قرطاسِ کار کی اشد ضرورت ہے کیوں کہ اردو املا کا انتشار بڑھتا ہی جا رہا ہے اور برقیاتی ذرائع ابلاغ نے اس انتشار میں بہت اضافہ کیا ہے۔اب اردو اخبارات میں معروف غیر ملکی ناموں اور مقامات کے بھی عجیب وغریب بلکہ مضحکہ خیز ہجے دیکھنے کو مل رہے ہیں مثلاً مراکش کے معروف شہر طنجہ کو بعض لوگ اردو میں تنجیر لکھ رہے ہیں جو اس کے انگریزی ہجے Tangier کی بھونڈی اور غلط نقل ہے۔اسی طرح معروف اور قدیم شہر سمرقند (س سے) کو اب بعض لوگ ثمرقند (ث سے) لکھنے لگے ہیں۔حالاں کہ طنجہ اور سمرقند جیسے نام صدیوں سے اردو،عربی اور فارسی میں اسی طرح لکھے جارہے ہیں۔ایمن الظواہری کو اردو اخبارات عرصے تک ایمن الزواہری لکھتے رہے۔چلیے غیر ملکی ناموں کو تو فی الحال رہنے دیجیے، اگر ہم اردو الفاظ کے املا ہی کو انتشار سے بچاسکیں تو بڑی بات ہوگی۔

یہاں معیاری اردو املا پر مبنی الفاظ و مرکبات کی فہرست یا قرطاسِ اسلوبِ املا کی تیاری کے لیے کچھ تجاویز پیش کی جارہی ہیں جس میں اردو الفاظ و مرکبات کا 'مجوّزہ' (اس لفظ پر زور دینا مقصود ہے) املا درج کیا جائے گا کوشش کی گئی ہے کہ اختلافی مسائل کو یہاں نہ چھیڑا جائے اور اس املا کے لیے تجاویز پیش کی جائیں جس پر عمومی اتفاق یا بالاتفاق کا امکان ہے۔مختلف فیہ یا متنازع فیہ امور پر الگ سے بحث کی جاسکتی ہے لیکن قرطاسِ کار میں یہ مناسب نہ ہوگا۔یا پھر ان کی الگ سے ایک فہرست بنانی پڑے گی۔

لیکن بہر حال کچھ نہ کچھ ترجیحات قائم کرنا مجبوری ہے کیوں کہ اردو میں املا کے مسائل ومباحث اتنے متنوع، پیچیدہ اور متضاد ہیں کہ سب کا یہاں ذکر کرنا مشکل ہے۔قرطاس کی تیاری میں جن اصولوں کو مدنظر رکھا جائے گا ان میں سے کچھ کے بارے میں یہاں مختصر اشارے ہی کیے جاسکتے ہیں اور ان میں سے کچھ یہ ہیں (متعلقہ کتب کے حوالے متن ہی میں قوسین میں دے دیے گئے ہیں):

۱- لفظ کی اصلیت

لفظ کی اصلیت اور اشتقاق کا خیال رکھتے ہوئے اس کا املا اصل سے قریب رکھنا چاہیے، اس طرح (خاص کر عربی الفاظ میں) اس کے مصدر اور مشتق کا علم ہوجاتا ہے اور دیگر مشتق یا متعلقہ نیز مشابہ الفاظ کے املا اور مفہوم کو سمجھنے میں آسانی ہوجاتی ہے۔

۲- اردو کے تصرفات

لیکن یہ بات بھی درست ہے کہ اردو والوں نے زبان میں بہت تصرفات کیے ہیں اور یہ تصرفات صوتیاتی بھی ہیں، صرفی ونحوی بھی اور لغوی ومعنوی بھی۔اردو میں عربی، فارسی، ترکی، انگریزی بلکہ سنسکرت/ پراکرت/ ہندی کے الفاظ میں بھی تغیر، تبدل اور تصرف کو روا رکھا گیا ہے اور ایسے نام نہاد 'عربی فارسی' الفاظ بھی اردو میں رائج ہیں جن کا عربی اور فارسی میں کوئی وجود نہیں ہے، مثال کے طور پر ذہنیت، مکانیت، مدمّغ، مرغّن، مجرّب، خوش دامن، جاگیر وغیرہ کا عربی/ فارسی میں وجود نہیں ہے۔اردو کے تصرف کے اس مزاج کا لحاظ کرنا پڑے گا۔

۳- غلط العام فصیح کا اصول

غلط العام فصیح کا اصول علمائے زبان ولغت نے تسلیم کیا ہے اور اگر کسی لفظ کا بظاہر غلط املا پڑھے لکھے لوگوں نے دیدہ ودانستہ، یہ جانتے ہوئے کہ ماخذ زبان (مثلاً عربی یا فارسی) میں اس کا املا یا مفہوم مختلف ہے اور اردو کے استعمال کو ترجیح دیتے ہوئے لکھا ہے تو اسے درست مانا جائے گا۔ گیان چند جین کے بقول 'غلط العام فصیح' کا اصول صرف قواعد میں نہیں املا میں بھی صحیح مان لیجیے (لسانی مطالعے، ص ۲۳۲)۔ہم نے بھی اس اصول کو یہاں مدنظر رکھا ہے۔البتہ ہر غلط لفظ اور عوامی املا یا بازاری تلفظ کو یہاں شامل نہیں کیا گیا اور غلط العوام اور غلط العام کا فرق بھی ملحوظ رکھا گیا ہے۔

۴- الف اور ہائے مختفی کا مسئلہ

عبدالستار صدیقی (مقالاتِ صدیقی، ص ۵-۴) اور رشید حسن خاں (اردو املا، ص ۸۱ وبعدہٗ) اور ان جیسے بعض دیگر جید ماہرین اصرار کرتے ہیں کہ اردو میں سنسکرت یا پراکرت یا ہندی کے جو الفاظ رائج ہیں ان کے آخر میں ہائے مختفی کے بجائے الف لکھنا چاہیے۔مثلاً: اڈا، انڈا، باڑا، بھروسا، پیسا، دھماکا، سمجھوتا، گھونسلا، مہینا، وغیرہ؛ کیوں کہ ہندی میں اور اردو میں ہائے مختفی کا وجود نہیں ہے۔لیکن بعض اہل علم کا خیال ہے کہ اردو میں رائج بعض سنسکرت الاصل یا پراکرت الاصل یا ہندی الاصل الفاظ کے آخر میں الف کے بجائے ہائے مختفی لکھنے کا جواز موجود ہے، مثلاً شمس الرحمٰن فاروقی نے لکھا ہے کہ اردو میں ہندی کے الفاظ کے املا کے مسئلے پر بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہندی میں ہائے مختفی نہیں ہے اس لیے 'ہندی' لفظوں کو ہائے مختفی سے نہیں لکھنا چاہیے اور پھر سوال اٹھایا ہے کہ یہاں ہندی سے کیا مراد ہے؟ اگر اس سے مراد جدید ہندی ہے جو ناگری میں لکھی جاتی ہے تو ناگری 'رسم الخط' میں تو ہائے مختفی کے حامل فارسی عربی الفاظ مثلاً پردہ، چہرہ، دایہ، سکہ، وغیرہ لکھنے کا کوئی طریقہ بھی نہیں ہے' (لغاتِ روزمرہ، ص ۲۲۵)۔نیز یہ کہ 'ناگری رسم الخط کی جدید ہندی میں آخری ہائے ہوز اور آخری الف میں فرق کرنے کا کوئی طریقہ نہیں ہے' (ایضاً)۔ان کے خیال میں اردو میں ہائے مختفی موجود ہے اور مختلف الفاظ کے املا میں الف اور ہائے مختفی لکھنے کے معاملے میں اختلاف ہے۔پھر انھوں نے لکھا ہے کہ بعض الفاظ سے اردو میں ہائے مختفی تقریباً ختم ہوگئی ہے اور اس کی جگہ الف نے لے لی ہے اور کچھ الفاظ کے آخر میں کبھی الف اور کبھی ہائے مختفی لکھی جاتی ہے، یعنی ان کے دو املا رائج ہیں۔البتہ بقول ان کے بعض الفاظ مثلاً مالوہ اور روپیہ میں ہائے مختفی کوئی تین سو سال سے لکھی جارہی ہے اور اس کے املا میں تبدیلی خواہ مخواہ چھڑے کا سکہ چلانے کے مترادف ہے (ایضاً، ۲۲۹)۔فاروقی صاحب نے اصرار کیا کہ 'بزعم خود مصلحانِ املائے اردو' کا یہ کہنا غلط ہے کہ اردو یا ہندی میں ہائے مختفی نہیں ہے اور پھر فاروقی صاحب نے پرانی لغات سے ان الفاظ کو ہائے مختفی سے لکھے جانے کا ثبوت پیش کیا ہے (لغاتِ روزمرہ، ص ۲۳۱-۲۲۳)۔

رشید حسن خاں صاحب بھی یہ تسلیم کرتے ہیں کہ بعض الفاظ بالخصوص ناموں میں ہائے مختفی لکھی جائے گی، مثلاً آگرہ، پٹنہ، کلکتہ، امروہہ وغیرہ (اردو املا، ص ۱۰۵)۔یہ بات عبدالستار صدیقی صاحب نے بھی لکھی ہے اور کہا ہے کہ ان شہروں کے ناموں میں ہائے مختفی آسکتی ہے کیوں کہ یہ نام 'ہمیشہ اسی طرح لکھے جاتے ہیں' (ص ۴)۔یہاں یہ سوال بھی ذہن میں آتا ہے کہ اگر اس قانون کو ناموں کے ضمن میں مان لیا گیا تو پھر دیگر الفاظ کے بارے میں بھی کہا جاسکتا ہے کہ 'ہمیشہ اسی طرح لکھے جاتے ہیں'۔

اسی طرح رشید حسن خاں اعتراف کرتے ہیں کہ بعض الفاظ ایسے ہیں 'جن میں آخری آواز میں واضح طور پر قصر پایا جاتا ہے' اور اگر ان الفاظ کو الف سے لکھا جائے تو 'محسوس ہوگا کہ تلفظ کا حق ادا نہیں ہوا' (اردو املا، ص ۱۰۶)، جیسے: ستیہ، بھارتیہ، مدھیہ، راجیہ، ساہتیہ، راشٹریہ وغیرہ (اردو املا، ص ۱۰۶)۔لیکن رشید صاحب ان کو استثنائی صورت قرار دیتے ہیں۔لیکن چند الفاظ ایسے ہیں جن میں الف اور ہائے مختفی کے استعمال سے مفہوم میں فرق پڑ جاتا ہے، مثلاً چارا اور چارہ۔ان کا خیال رکھنا ہوگا۔

ایک دل چسپ بات اس ضمن میں یہ ہے کہ جوشِ اصلاح میں خاکہ کو بھی خاکا لکھنے کی ہدایت دی گئی اور وجہ یہ بتائی گئی کہ یہ فارسی میں وجود نہیں رکھتا اور اردو والوں نے خاک سے بنالیا ہے۔حقیقت یہ ہے کہ خاکہ نہ صرف یہ کہ فارسی میں وجود رکھتا ہے بلکہ محمد حسین آزاد نے فارسی قواعد پر اپنی کتاب 'جامع القواعد' میں ایسے الفاظ کی مثال میں خاکہ بھی درج کیا ہے جو فارسی میں نسبت کے لیے 'ہ' کے اضافے سے بنائے جاتے ہیں۔آزاد کا کہنا ہے کہ یہ ہائے وصلی ہے اور نسبت کے لیے بڑھاتے ہیں، پھر مثال دی ہے 'لالہ، سبزہ، سفیدہ...خاکہ' وغیرہ (ص ۲۱۳)۔آزاد کے مطابق فارسی میں 'ہ' مشابہت کے لیے بھی آتی ہے، جیسے آفتابہ، چرخہ، دہانہ، گوشہ، دندانہ، چشمہ (ایضاً)۔ہم خاکہ کو خاکا لکھنے پر بضد اہلِ علم سے سوال کرتے ہیں کہ آزاد نے جن الفاظ کی مثال دی ہے، مثلاً سبزہ اور چشمہ، کیا ان سب کے آخر میں بھی الف لکھنے کی نصیحت یا وصیت کی جاسکتی ہے؟ وضعِ اصطلاحات میں وحیدالدین سلیم نے ایسے فارسی الفاظ خاصی تعداد میں دیے ہیں جن کے آخر میں 'ہ' ہے (ص ۱۵۰-۱۴۹) اور 'ہ' امر کے آخر میں لگا کر اندیشہ، تراشہ، نامہ جیسے الفاظ بھی بنائے گئے ہیں، کیا ان کے آخر میں بھی الف لکھنے کی سفارش کی جاسکتی ہے؟ بہر حال خاکہ کا ایک املا خاکا بھی اسٹین گاس نے دیا ہے لیکن خاکہ کو غلط اور صرف خاکا کو درست کہنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔

(باقی آئندہ)

سنہ ہجری کے آغاز کی اخلاقی اساس

عارف عزیز

اسلام سے پہلے دنیا کی متمدن اقوام میں متعدد تقویم (کلینڈر) رائج تھیں جن کا آغاز کسی بادشاہ کی پیدائش، وفات یا کسی حادثے، زلزلے، طوفان اور جنگ سے ہوتا تھا، رومیوں کا کلینڈر سکندرِ اعظم کی پیدائش سے شروع ہوتا تھا، ایرانیوں کی ایک جنتری یزدگرد کی تخت نشینی سے اور دوسری اس کی موت سے شروع ہوتی تھی، مسیحی کلینڈر کا آغاز حضرت عیسیٰ کی ولادت سے ہوا، ہندستان میں بکرماجیت کے نام سے سنہ کا رواج تھا۔

’’اس کے برعکس عربوں کا معاشرہ اتنا متمدن نہیں تھا کہ کسی ایک تقویم کی ضرورت محسوس ہوتی لہٰذا اوقات وموسم کے شمار اور رات دن کی بول چال میں آسانی کے لیے وہ اپنی قومی تاریخ کا کوئی اہم واقعہ لے کر اس سے حساب لگا لیتے تھے، عام طور پر عربوں کی معلوم تاریخ یا شعری ادب میں عام الفیل کا ذکر ملتا ہے، اس سے مراد وہ سال ہے جس میں شاہ حبشہ ابرہہ نے کعبہ پر لشکرکشی کی تھی، ہاتھیوں کی فوج لے کر وہ بیت اللہ کو منہدم کرنے کے ارادہ سے نکلا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے گھر کی حفاظت فرمائی اور ابابیل کے ذریعے اس کے پورے لشکر کو تباہ وبرباد کر دیا، اہلِ عرب اس واقعے کو بنیاد بنا کر حساب کتاب کرنے لگے۔ نبی اکرمؐ کی ولادت بھی اسی سال ہوئی لہٰذا اس واقعے سے اسے جوڑا جانے لگا اسی طرح حرب فجار کا واقعہ عربوں کے نزدیک ایک اہم واقعہ تھا، جس کا کتابوں میں ذکر ملتا ہے کہ اس کے حوالے سے ماضی وحال کے درمیان تعین کیا جاتا تھا، مثلاً کسی کی پیدائش یا موت کے سنہ کا شمار کرنا ہو تو کہا جاتا تھا کہ یہ شخص حرب فجار سے اتنے سال پہلے پیدا ہوا یا اتنے برس بعد اس کی موت کا واقعہ پیش آیا۔‘‘

(مفتی خالد محمود مضمون ’ہجرت کا اہم واقعہ اسلامی سنہ کے آغاز کی بنیاد‘ روزنامہ ’آوازِ ملک‘ وارانسی، 30 جولائی 1993، صفحہ 2)

ظہورِ اسلام کے بعد بھی عرصۂ دراز تک صحابہ کرامؓ نے کسی ایک سنہ کی تعین کی ضرورت نہیں سمجھی بلکہ عہدِ اسلام کے واقعات میں سے کسی ایک واقعہ سے یادداشت کو محفوظ رکھا جانے لگا، مکی عہد کا ایک اہم واقعہ ’بیعتِ عقبہ‘ تھا جو کچھ ایام تک بطور سنہ استعمال ہوتا رہا، دورِ مدنی کا ایک اہم مرحلہ ہجرت کے بعد ’اذنِ قتال‘ تھا یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اہلِ ایمان کو اس کی اجازت دینا کہ حالات کا تقاضا ہو تو اہلِ کفر کی جارحانہ سرگرمیوں سے اپنے دفاع کے لیے مسلح جدوجہد کریں، یہ حکم سورہ حج کی آیتِ اذان کی ذریعے ملا جو یقیناً اسلام کی تاریخ کا ایک نیا موڑ اور دعوت کے لحاظ سے نہایت اہمیت کا حامل واقعہ تھا، صحابۂ کرامؓ اسے ’سنۂ اِذن‘ سے تعبیر کرتے تھے، اسی طرح سورہ برأۃ (سورہ توبہ) بھی اسلامی معاشرہ کے قیام کے بعد دعوت کی اجتماعی شکل اور دین کے قیام نیز اشاعت کے پورے نظام کو بیان کرنے والی پہلی سورت تھی، شاید اسی لیے جس سال یہ نازل ہوئی اس سال کو ’سنۂ البرأۃ‘ کے نام سے یاد کیا جاتا رہا، عہدِ نبویؐ کا آخری سنہ ’سنۃ الوداع‘ سے موسوم کیا گیا جس میں نبی اکرمؐ کے حج کا واقعہ پیش آیا اور وہ ’حجۃ الوداع‘ کے نام سے مشہور ہوا۔ بعض تاریخی روایات سے اس طرح کے دوسرے سنوں کا بھی علم ہوتا ہے مثال کے طور پر ’سنۃُ التمحیص‘ یا ’سنۃُ الاستیناس۔‘

(مولانا خلیل الرحمٰن سجاد ندوی ماہنامہ ’الفرقان‘ لکھنؤ، نومبر 1983، صفحہ 3)

خود بعثتِ نبویؐ یا ہجرتِ مدینہ بھی اہم واقعات تھے اور تاریخ کی کتب میں ان کے ذریعے حساب وکتاب رکھے جانے کے بارے میں ذکر ملتا ہے کہ یہ واقعہ بعثتِ نبوی کے اتنے سال بعد رونما ہوا یا فلاں شخص ہجرتِ مدینہ کے اتنے سال بعد مسلمان ہوا، قابلِ غور پہلو یہ ہے کہ ان تمام سنوں کا تعلق ان واقعات سے ہے جو اسلام کی دعوت وتحریک کو پیش آرہے تھے، کسی فردِ واحد سے اس کا تعلق نہیں، اسلام جو دیگر مذاہب کے برخلاف ہیرو پرستی اور شخصیت سازی کی نفی کرتا ہے یہ اس کی اسی مزاجی خصوصیت کا نتیجہ ہے۔

رسول اللہؐ کی مکی زندگی نہایت صبر آزما حالات سے دوچار رہی جس کے دوران تیرہ سال تک اللہ کے رسول کی پوری توجہ اسلام کی دعوت واشاعت پر مرکوز رہی، بے سروسامانی اور کسمپرسی کے باوجود رسول پاکؐ ایمان کی دعوت لے کر مکہ اور اس کے اطراف کی گلی کوچوں میں پھرتے رہے اور اپنے مٹھی بھر جاں نثاروں کے ساتھ اہلِ مکہ کے مظالم کا سامنا کرتے رہے۔ ہجرت کے بعد بھی حالات زیادہ بہتر نہیں ہوئے ایک طرف اسلام کی اشاعت اور دوسری طرف کفارِ مکہ سے براہِ راست دشمنی نیز یہود ونصاریٰ کی ریشہ دوانیوں نے کسی دوسرے کام کی طرف توجہ دینے کی مہلت نہیں دی، جہاد وقتال کی اجازت ملنے کے بعد غزوات کا سلسلہ شروع ہوگیا، صلح حدیبیہ کے بعد مصائب میں کچھ کمی ہوئی تو رسول اکرمؐ نے جزیرۃ العرب سے باہر دوسرے ملکوں میں خطوط وپیغام ارسال کر کے اسلام کی دعوت کو عام کیا اور فتحِ مکہ کے بعد وفود کی آمد کا سلسلہ شروع ہوگیا، ان جملہ مصروفیات کی وجہ سے آنحضرتؐ بہت سے امور کی طرف توجہ مبذول نہ فرما سکے اور ان کی تکمیل حضرات خلفائے راشدین کے عہد میں ہوئی جن کے طریقے پر عمل کرنے کو رسولِ مقبولؐ لازم قرار دے چکے تھے۔ آپ کا ارشاد ہے:

’’تم پر میری سنت اور خلفائے راشدین جو ہدایت یافتہ ہیں ان کی سنت پر عمل کرنا لازم ہے اسے دانتوں کے ساتھ مضبوطی سے پکڑو‘‘۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے نبی پاک کے چھوڑے ہوئے متعدد امور کی تکمیل فرمائی لیکن اسلامی تقویم کے آغاز کی طرف آپ کی توجہ مبذول نہ ہوسکی، آپ کا عرصۂ خلافت نہایت مختصر تھا، جس کے دوران منکرینِ زکوٰۃ کے فتنہ سے مقابلہ اور اس کے بعد روم وایران کے خلاف لشکر روانہ کرنے پر زیادہ توجہ رہی، خلیفۂ ثانی حضرت عمر فاروقؓ کے عہدِ خلافت میں کئی دیگر ممالک اسلامی سلطنت میں داخل ہوئے تو وہاں گورنروں کا تقرر ہوا اور ان کو دربارِ خلافت سے ہدایت نامے جاری ہونے لگے، اور نامہ وپیام کا سلسلہ بڑھ گیا۔ اسی زمانے میں روم سے حضرت عمرؓ کو ایک خط موصول ہوا جس پر عیسوی تاریخ اور سنہ درج تھا، اس کا جواب دیتے وقت انھیں تاریخ وسنہ کی ضرورت محسوس ہوئی۔ ایک مرتبہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے امیر المومنین حضرت عمرؓ کو خط لکھا کہ آپ کی طرف سے ہمیں جو تحریریں ملتی ہیں اس میں تاریخ وسنہ نہ ہونے کی بنا پر اکثر اندازہ نہیں ہو پاتا کہ یہ کس وقت کی لکھی ہوئی ہیں اور اس لیے بعض اوقات ان پر عمل درآمد میں کافی دقت پیش آتی ہے۔ اسی عرصے میں حضرت عمرؓ کے پاس ایک مقدمے سے متعلق تحریر پہنچی جس میں صرف شعبان لکھا ہوا تھا کوئی سنہ تحریر نہ ہونے سے آپ کو یہ سمجھنے میں پریشانی ہوئی کہ یہ کس سال کے شعبان سے متعلق ہے، اس لیے ضرورت محسوس ہوئی کہ کسی ایک واقعہ کو نقطۂ آغاز قرار دے کر سرکاری طور پر سنہ کا درجہ دے دیا جائے یعنی وہاں سے باقاعدہ اسلامی تقویم (کلینڈر) کا آغاز ہو، حضرت عمرؓ نے مشورے کے لیے صحابہ کرامؓ کو جمع کیا جن کی مختلف آرا سامنے آئیں۔ ان میں یہ رائے بھی تھی کہ رسول اللہؐ کی ولادت کو اسلامی تقویم کا آغاز قرار دیا جائے، ایک رائے آپؐ کی بعثت کے بارے میں تھی بالآخر حضرت علی کرم اللہ وجہ کی رائے کو حضرت عمر فاروقؓ نے قبول کیا اور فیصلہ ہوا کہ اسلامی جنتری کو رسولِ پاکؐ کی ہجرت کے سال سے شروع کیا جائے، فاروق اعظمؓ کے اس فیصلے کو امتِ اسلامیہ نے اس صدقِ دلی سے قبول کیا کہ آج تک اس میں ترمیم وتنسیخ کی ضرورت کسی معتدل مزاج مسلمان کو بھی محسوس نہیں ہوئی۔

یہ فیصلہ امتِ مسلمہ کے مزاج کے عین مطابق تھا جس کے تحت فتح واقبال مندی کے تاریخ اور واقعات کو نظر انداز کر کے صحابۂ کرامؓ نے بیچارگی اور درماندگی سے اپنی تاریخ شروع کرنا مناسب سمجھا، دنیا کی دوسری قومیں اپنے برے دن بھلا کر فتح کو یاد رکھنا چاہتی تھیں لیکن مسلمانوں نے اپنی تاریخ کی سب سے بڑی شکست کو ہر دم پیشِ نظر رکھا یقیناً ان کی سمجھ دنیا کی دیگر اقوام کے برعکس لیکن اس ذوق، مزاج اور شعور کے عین مطابق تھی جس کو سنتِ نبوی اور اس کی تعلیمات نے ان کے اندر پیدا کرنا چاہا تھا۔

یوں تو صلحِ حدیبیہ، حجۃ الوداع اور فتحِ مکہ بھی اسلامی تاریخ کے اہم واقعات ہیں جن سے شخصیت پرستی کی نہیں اسلام کے سیاسی غلبے کی نشاندہی ہوتی ہے لیکن یہ تینوں واقعات بھی ہجرتِ نبوی کے نتائج میں شامل ہیں، عظمتِ اسلامی کی ابتدا کے لیے تاریخ کو ہجرتِ رسولؐ کی طرف لوٹنا پڑتا ہے۔ اسی طرح اعلانِ نبوت اور غزوۂ بدر جیسے واقعات کو نظر انداز کر کے صحابۂ کرامؓ کی نظرِ انتخاب ہجرت پر جا کر ٹھہری جسے قرآن حکیم کی سورۃ برأۃ میں بیان کیا گیا ہے، یہ سورہ اگرچہ فتحِ مکہ کے بعد نازل ہوئی جس کا مقصود اسلام کے مکمل غلبہ کے بعد ہجرتِ نبوی کی اخلاقی فتح مندیوں کو یاد دلانا اور یہ ظاہر کرنا تھا کہ اس سیاسی غلبے کی روح حقیقت میں اخلاقی غلبہ ہے جس کے آگے سیاسی انقلاب کوئی حیثیت نہیں رکھتا، سطحی نظر میں ہجرت کا واقعہ آنحضرتؐ اور صحابۂ کرام کی مظلومیت وپسپائی کی یادگار ہے لیکن فی الحقیقت یہ واقعہ اسلام کی فتح کا آغاز ہے، مسلسل تیرہ سال تک اسلام تلوار کے زیرِ سایہ اپنے اخلاقی اصولوں کی تبلیغ واشاعت کرتا رہا، ایک طرف مادی قوت وصلاحیت کا زبردست طوفان تھا تو دوسری جانب اسلام کی برتری تھی، لات وعزیٰ کے پجاری اپنی عددی اکثریت پر نازاں تھے جب کہ اسلام کے چند وفادار خدا کی طاقت ونصرت پر بھروسہ کیے ہوئے تھے، ان کا ایمان مصائب کی بھٹی میں تپ کر کندن بن گیا تو اس کھرے سونے کی چمک کی طرف اہلِ مدینہ دیوانہ وار کھینچنے لگے اور انھوں نے رسولِ مقبولؐ کو دعوت دی کہ آپؐ مدینہ آئیں اور ہماری قیادت فرمائیں، ...

(بقیہ صفحہ 7 پر)

اردو دُنیا

عصری تقاضوں سے ہم آہنگ ادبی موضوعات پر کتابیں اور تراجم شائع کیے جائیں: پروفیسر قدوس جاوید

انڈین نالج سسٹم اور کثیر لسانی ہندستانی ثقافت کے فروغ میں اردو زبان و ادب کا کردار غیر معمولی اہمیت رکھتا ہے: ڈاکٹر شمس اقبال

نئی دہلی (3 جون، پریس ریلیز)۔قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان کے صدر دفتر میں آج اردو ادب پینل کی میٹنگ کا اہتمام کیا گیا جس کی صدارت معروف ناقد و دانشور پروفیسر قدوس جاوید نے کی۔ میٹنگ کے آغاز میں کونسل کے ڈائرکٹر ڈاکٹر شمس اقبال نے تمام معزز مہمانوں کا استقبال کیا اور کہا کہ اس نوتشکیل شدہ پینل میں ملک کی نمائندہ ادبی شخصیات شامل کی گئی ہیں اور ہمیں توقع ہے کہ آپ کی رہنمائی میں اس پینل کے تحت مفید اور ضروری ادبی موضوعات پر کام ہوگا۔انھوں نے 2047 تک ترقی یافتہ ہندستان کی تعمیر میں ہندستانی نالج سسٹم اور کثیر لسانی ثقافت کے کردار کا حوالہ دیتے ہوئے مزید کہا کہ اس کے فروغ و استحکام میں ملک کی دیگر زبانوں کے ساتھ اردو کو بھی مطلوبہ کردار ادا کرنا چاہیے۔ڈاکٹر شمس اقبال نے کہا کہ اس مقصد کے حصول کے لیے اردو زبان میں مختلف ہندستانی زبانوں کے معیاری ادب کا ترجمہ شائع کرنا ضروری ہے،جس کے لیے کونسل پُرعزم ہے اور ریاستی اردو اکادمیوں کو خط ارسال کر کے متعلقہ ریاست کے نمائندہ ادب کی نشان دہی کی درخواست کی جائے گی تا کہ اسے اردو قارئین تک بھی پہنچایا جا سکے اور تمام ہندستانی زبانوں کے مابین ہم آہنگی قائم ہو سکے۔ میٹنگ کے چیئرمین پروفیسر قدوس جاوید نے معیاری ادب کی اشاعت پر زور دیتے ہوئے کہا کہ اردو میں عربی، فارسی اور سنسکرت کی بنیادی تحقیقی و تنقیدی کتابوں کے تراجم بھی شائع ہونے چاہئیں۔انھوں نے کہا کہ روایتی انداز کے غیر مفید موضوعات کے بجائے موجودہ دور میں کارآمد موضوعات پر تصنیف، تحقیق اور ترجمے پر توجہ دینے کی ضرورت ہے۔سینئر ادیب و دانشور جناب جانکی پرساد شرما نے کہا کہ ہندی ریاستوں کے لوک گیتوں کو اردو میں منتقل کر کے ان کا انتخاب شائع کرنا بھی ایک اہم کام ہوگا۔اس موقعے پر یہ فیصلہ بھی کیا گیا کہ اردو زبان میں اردو کی اہم ادبی شخصیات کے مونوگراف کے علاوہ ہندی اور دیگر ہندستانی زبانوں کی اہم ادبی شخصیات کے بھی مونوگراف اور ان کی نمائندہ تحریروں کے انتخابات تیار کروائے جائیں تا کہ اردو والے بھی ان سے آشنا ہو سکیں۔ اسی طرح اس میٹنگ میں ہم عصر ٹکنالوجی جیسے آرٹیفیشیل انٹیلی جنس وغیرہ پر اردو مواد کی تیاری کے ساتھ ماحولیات اور قدرتی ذخائر کے تحفظ وغیرہ پر بھی اردو کتابوں کی تیاری و اشاعت پر زور دیا گیا۔

میٹنگ کے دوران اردو ادب پینل کی گذشتہ میٹنگ (منعقدہ 4اگست 2022) کی روداد کی تصدیق کے ساتھ اس کے تحت چل رہے مختلف اشاعتی پروجیکٹوں کی صورتِ حال کا جائزہ لیا گیا اور متعدد کتابوں کی اشاعت پر اطمینان کا اظہار کیا گیا، جب کہ نئے موصول ہونے والے پروپوزلس پر بھی غور کر کے ان کے تعلق سے فیصلہ لیا گیا۔پینل کے ممبران نے اس پر زور دیا کہ آج کے دور کے اشاعتی طریقۂ کار کو دیکھتے ہوئے ضخیم اور کئی کئی جلدوں پر مشتمل کتابوں کی کثیر تعداد میں اشاعت کی بجائے 'پرنٹ آن ڈیمانڈ' کے اصول پر عمل کیا جائے،ان کا یہ بھی کہنا تھا کہ ضخیم کتابوں کے انتخابات شائع کیے جائیں اور اصل متن پی ڈی ایف یا ای پب فارمیٹ میں کونسل کی ویب سائٹ یا ای- کتاب ایپ پر آن لائن فراہم کروا دیا جائے تا کہ جنھیں ضرورت ہو وہ اس سے استفادہ کر لیں۔

میٹنگ میں شامل پینل کے دیگر ممبران میں پروفیسر صغیر افراہیم، پروفیسر نسیم الدین فریس، پروفیسر شبنم حمید، پروفیسر احمد محفوظ، پروفیسر آفتاب عالم آفاقی، پروفیسر مشتاق عالم قادری (آن لائن)، ڈاکٹر نعیم انیس اور ڈاکٹر درانی شبانہ قابل ذکر ہیں، جب کہ ڈاکٹر خاور نقیب کسی ناگزیر وجہ کی بنا پر شریک نہ ہو سکے۔ان کے علاوہ این سی پی یو ایل کی گورننگ کونسل کے ممبران ڈاکٹر سید مشیر عالم ا(آن لائن) اور ڈاکٹر شمشیر سنگھ نے بطور مدعوئین خصوصی شرکت کی۔کونسل سے ڈاکٹر شمع کوثر یزدانی (اسسٹنٹ ڈائرکٹر، اکیڈمک)، ڈاکٹر مسرت (ریسرچ آفیسر)، ڈاکٹر عبدالباری (اسسٹنٹ ایڈیٹر) نایاب حسن (ریسرچ اسسٹنٹ)، نہاں (ریسرچ اسسٹنٹ)، نصرت جہاں (ریسرچ اسسٹنٹ) اور محمد افروز (ویب ماسٹر) وغیرہ میٹنگ میں موجود رہے۔

پبلک لائبریریوں میں کتابوں کے ڈیجیٹائزیشن کے لیے حکومتِ مہاراشٹر کے منصوبے روبہ عمل

راجارام موہن رائے لکچر سیریز سے خطاب کے دوران اشوک گاڈیکر کا اظہارِ خیال، 15 ہزار سے زائد پبلک لائبریریوں کے ڈیجیٹائزیشن کا ہدف

ناسک (15 مئی)۔راجارام موہن رائے میموریل لکچر سیریز کے تحت ناسک میں مہاراشٹر گورنمنٹ کے ڈائرکٹوریٹ آف پبلک لائبریری اور محکمۂ اطلاعات ونشریات کے زیرِ اہتمام منعقدہ توسیعی خطبے میں اشوک گاڈیکر (ڈائرکٹر پبلک لائبریریز مہاراشٹر اسٹیٹ) نے کہا کہ قارئین میں مطالعے کے رجحان کو فروغ دینے کے لیے سنجیدہ کوششیں روبہ عمل لائی جا رہی ہیں۔زمانے کی ضرورت کے لحاظ سے مطالعہ گاہوں کو تکنیکی طور سے مزیّن کرنے، انٹرنیٹ اور آرٹی فیشیل انٹلی جینس کی مدد سے کتابوں کا تحفظ کرنے اور لائبریریوں کی عمارتوں کو جدید تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کے لیے حکومتی سطح پر مالی امداد فراہم کی جا رہی ہے۔ مہاراشٹر میں 15 ہزار سے زائد پبلک لائبریریاں ہیں، ان لائبریریوں کے ذریعے مطالعے کے فروغ کی تحریک شروع کی جائے۔کتابوں سے قارئین کے رشتے کو مضبوط بنایا جائے۔اس دور میں کِنڈل ریڈنگ کا ٹرینڈ بھی رواں ہے، پبلک لائبریریوں کی تجدید کاری کی جائے تا کہ قاری کا رشتہ تمام زبانوں، تہذیبوں اور ثقافتوں سے جُڑ جائے۔انھوں نے کہا کہ ناسک میں ہونے والی یہ ادبی تقریب اسی تحریک کا ایک حصہ ہے۔اس سے قبل پونے اور چھترپتی سنبھاجی نگر میں اس نوعیت کی تقاریب ہوئی ہیں۔حکومتِ مہاراشٹر نے 'واچن سنکلپ' کے تحت بہت ساری اسکیموں، تقریبات اور مالی امداد کی فراہمی کے منصوبے بنائے ہیں، اس سے استفادے کے لیے پبلک لائبریریوں کے ٹرسٹیز متعلقہ سرکاری ادارے وافسران سے رابطہ کریں۔ (انقلاب۔ممبئی)

بہار کے اردو ٹی ای ٹی امیدواروں کی میٹنگ

رزلٹ جاری کرنے کا مطالبہ

پٹنہ (15 جون)۔آل بہار اردو بنگلہ ٹی ای ٹی سنگھ کے ریاستی صدر مفتی حسن رضا امجدی نے کہا کہ اردو اقلیت کا سب سے بڑا مسئلہ اردو ٹی ای ٹی امیدواروں کا رزلٹ ہے۔دس سالوں سے پورے بہار کے اردو بنگلہ ٹی ای ٹی امیدوار انصاف کے انتظار میں دردر بھٹک رہے ہیں جب کہ وزیرِ اعلا نتیش کمار نے کئی بار رزلٹ جاری کرنے اور انصاف دلانے کی بات کہی ہے پھر بھی محکمۂ تعلیم خاموش ہے۔16 جون کو پٹنہ کی سرزمین پر پورے بہار کے ہر ضلعے کے امیدوار ایک بار پھر بھرپور طاقت کے ساتھ حق و انصاف کی آواز اٹھانے پہنچ رہے ہیں جہاں مختلف رہنماؤں سے ملاقات ہوگی۔وزیرِ اعلا سے پوری امید ہے کہ جب سارے مسئلے حل ہو چکے ہیں تو کم از کم اس مسئلے کو نظر انداز نہ کیا جائے۔ (قومی تنظیم۔پٹنہ)

وزیرِ اعلا سے اردو اکادمی اور مشاورتی کمیٹی کی

تشکیلِ نو کرنے کا مطالبہ

حاجی پور (13 جون)۔سماجی، سیاسی، تعلیمی و مذہبی شعبوں سے وابستہ ڈاکٹر عظیم انصاری، ڈاکٹر جمال انصاری، پروفیسر محمد واعظ الحق اور محمد افروز عالم نے پریس بیان جاری کر کے وزیرِ اعلا نتیش کمار جی سے مطالبہ کیا ہے کہ اردو کے فروغ و بقا میں اہم کردار ادا کرنے والے حکومت کے دو ادارے جن میں اردو اکادمی، اردو مشاورتی کمیٹی شامل ہیں، ان میں برسوں سے سکریٹری و چیئرمین کے عہدے خالی ہیں، سکریٹری و چیئرمین نہیں رہنے کی وجہ سے اردو کے کام نہیں ہو پا رہے ہیں۔کیا وجہ ہے کہ پانچ برسوں سے اردو اکادمی میں سکریٹری اور اردو مشاورتی کمیٹی میں چیئرمین کی بحالی نہیں کی جا رہی ہے۔بہار کے وزیرِ اعلا جناب نتیش کمار اردو زبان کے فروغ و بقا کے لیے کافی سنجیدہ ہیں تو پھر ان دونوں اداروں میں سکریٹری اور چیئرمین کی بحالی میں تاخیر کیوں؟ بہار اسٹیٹ مدرسہ ایجوکیشن بورڈ پٹنہ میں چیئرمین کی جس طرح سے تعیناتی کی گئی، اسی طرح اردو اکادمی و مشاورتی کمیٹی میں بھی پہل ہونی چاہیے۔ڈاکٹر عظیم انصاری، ڈاکٹر جمال انصاری، محمد واعظ الحق اور محمد افروز عالم نے کہا کہ ان اداروں میں سکریٹری و چیئرمین کی بحالی میں بہار کے وزیرِ اعلا اب دیر نہ کریں۔ جب تقرری ہو تو اس میں ادیبوں اور صحافتی میدان سے وابستہ شخصیتوں کو بھی کمیٹی میں شامل کریں، اور ہر ضلع سے کمیٹی کا رکن منتخب کریں۔اکثر دیکھا گیا ہے کہ ایک دو ضلعے کے لوگوں کو فوقیت دی جاتی رہی ہے۔ جب کہ ویشالی ضلع راجدھانی پٹنہ سے بالکل قریب ہے، وہاں کے سیاسی رہنماؤں، ادیبوں اور صحافتی میدان سے وابستہ افراد کو حاشیے پر رکھ دیا جا رہا ہے۔(قومی تنظیم۔پٹنہ)

غالب انسٹی ٹیوٹ میں

اردو، فارسی اور موسیقی کلاسز کا مشترکہ اجلاس

نئی دہلی (یکم جون، پریس ریلیز)۔غالب انسٹی ٹیوٹ میں اردو، فارسی اور موسیقی کلاس کا آغاز ہوئے ایک ماہ مکمل ہو گیا۔اس موقعے پر تینوں کلاسز کا ایک مشترکہ اجلاس منعقد کیا گیا، جس میں موسیقی کے استاد جناب عبدالرحمٰن نے غالب اور دیگر شعرا کا کلام پیش کیا۔ پروگرام سے پہلے تعارفی کلمات پیش کرتے ہوئے غالب انسٹی ٹیوٹ کے ڈائرکٹر ڈاکٹر ادریس احمد نے کہا کہ غالب انسٹی ٹیوٹ سال میں چھے ماہ کے ایک بیچ کا اہتمام کرتا ہے جس کا مقصد اردو، فارسی اور موسیقی کی مبادیات سے واقف کرانا ہے۔موسیقی کلاس کے استاد جناب عبدالرحمٰن نے کہا کہ غالب انسٹی ٹیوٹ مبارکباد کا مستحق ہے کہ ان طلبہ کے لیے ایک پلیٹ فارم مہیا کرتا ہے جن میں سیکھنے اور کچھ کرنے کی خواہش ہوتی ہے۔ ہر ماہ ایک آن لائن مشترکہ اجلاس کا بھی اہتمام کیا جاتا ہے جس میں کبھی شام غزل اور کبھی ادب کے کسی اہم موضوع پر اظہارِ خیال کے لیے کسی علمی شخصیت کو دعوت دی جاتی ہے۔ یہ طلبہ کے لیے سیکھنے کا بہت اچھا موقع ہوتا ہے۔اس موقعے پر استاد عبدالرحمٰن نے غالب اور دیگر اہم شعرا کی غزلوں کو اپنے منفرد انداز میں پیش کیا جسے سامعین نے بہت پسند کیا۔

گورنمنٹ اردو لائبریری کی نئی عمارت کا افتتاح

پٹنہ (13 جون)۔ وزیرِ اعلا نتیش کمار نے راجدھانی پٹنہ کے محبانِ اُردو کو ایک بڑی سوغات دی۔ انھوں نے اشوک راج پتھ پر تین کروڑ 7 لاکھ 31 ہزار روپے کی رقم سے نئی تعمیر شدہ گورنمنٹ اردو لائبریری پٹنہ کی نئی عمارت کا افتتاح کیا۔ افتتاح کے بعد وزیرِ اعلا نے نئی عمارت کا معائنہ کیا اور وہاں کے انتظامات کے بارے میں جانکاری حاصل کی۔ اس کے دوران انھوں نے کہا کہ یہاں پڑھنے کے لیے ایک پُرامن ماحول اور بنیادی سہولیات موجود ہیں، جس کی وجہ سے مطالعہ کرنے والے کو مطالعے میں آسانی محسوس ہوگی۔ لائبریری کی اس نئی عمارت کی تعمیر سے اب پڑھنے والے اور اسکالرس کو زیادہ آسانی ہوگی۔ یہاں کے تمام انتظامات کو ٹھیک رکھیں اور عمارت کو مینٹین رکھیں۔ وزیرِ تعلیم سنیل کمار نے وزیرِ اعلا کو کتاب پیش کر کے ان کا خیر مقدم کیا۔ واضح رہے کہ گورنمنٹ اردو لائبریری (پٹنہ) 1938 میں دو منزلہ عمارت میں قائم کی گئی تھی، جو اشوک راج پتھ کے خزانچی روڈ کے سامنے واقع ہے۔ (قومی تنظیم۔ پٹنہ)

اردو زبان کا مستقبل شاندار، روزگار کے بھی مواقع

نوجوان نسل میں مزید دل چسپی پیدا کی جائے

حیدرآباد (25 مئی)۔ انجمن ریختہ گویانِ حیدرآباد کے زیرِ اہتمام 25 مئی 2025 کو 'اردو اصنافِ سخن گوئی' کی تیسری نشست ابوالکلام آزاد ریسرچ انسٹی ٹیوٹ باغ عامہ، نامپلی، حیدرآباد میں منعقد ہوئی۔ صدرِ انجمن جناب جاوید کمال نے مہمانان اور مقررین کا خیر مقدم کیا۔ ممتاز ادیبہ و معلّمہ محترمہ انیس عائشہ نے اس موقعے پر اپنے خطاب میں کہا کہ اردو زبان کو زندہ رکھنے کے لیے نوجوان نسل کو زیادہ سے زیادہ اردو زبان سے وابستہ کیا جائے۔ انھوں نے اس سلسلے میں صدرِ انجمن ریختہ گویان ڈاکٹر جاوید کمال کی کوششوں کی بھرپور ستائش کی اور کہا کہ اردو زبان کا تحفظ اُس وقت اور مستحکم ہوگا جب ہم بول چال میں بھی اردو کا کثرت سے استعمال کریں گے۔ جناب صوفی سلطان احمد شطاری صدر بزم کشور نے اردو کو شیریں زبان قرار دیتے ہوئے منتخب اشعار سنائے جسے سامعین نے بے حد پسند کیا۔ پروفیسر مصطفیٰ علی سروری (مولانا آزاد نیشنل اردو یونی ورسٹی) نے کہا کہ ہم اردو زبان کے مستقبل سے ہرگز ہرگز مایوس نہیں ہیں۔ انھوں نے بتایا کہ مولانا آزاد یونی ورسٹی کے فارغین نہ صرف ملک بلکہ عالمی سطح پر بھی اعلا عہدوں پر فائز ہیں، ان کا سماجی معیار اور رُتبہ کسی سے کم نہیں۔ موجودہ صورتِ حال اور مستقبل میں بھی اردو زبان سے تعلیم حاصل کرنے والوں کے لیے روزگار کے وسیع تر مواقع ہیں۔ انھوں نے انجمن ریختہ گویان کی ادبی سرگرمیوں اور اس میں شریک معززین کو مبارک باد پیش کی۔ ڈاکٹر جاوید کمال نے مجتبیٰ حسین کا انشائیہ 'ناز اٹھانے کو رہ گئے ہم ڈاکٹروں کے' سنایا جس میں بعض ڈاکٹروں کی مریضوں سے عدمِ دل چسپی اور دیگر باتوں کو خوب صورت پیرایے میں انھوں نے پیش کیا۔ ڈاکٹر حمیرہ سعید نے نظامت کے فرائض انجام دیے۔ محفل کا آغاز ڈاکٹر عطیہ مجیب عارفی نے 'قصہ پہلے درویش کا' سے اقتباس سنا کر کیا۔ محترمہ رفیع نوشین نے پہیلیاں پیش کرتے ہوئے سامعین سے جوابات طلب کیے، صحیح جواب دینے پر محمد حسام الدین ریاض اور ثریا جبیں کو رفیعہ نوشین کی کتاب 'میری آنکھوں کی زبان' بطورِ انعام صوفی سلطان شطاری اور رفیعہ نوشین نے پیش کی۔ لطیف الدین لطیف اور واجد محی الدین نے علامہ اقبال کا 'شکوہ جوابِ شکوہ' کو پُراثر انداز میں پیش کیا جسے بے حد پسند کیا گیا۔ لطیف الدین لطیف نے مزاحیہ غزلیات بھی سنائیں۔ عطیہ مجیب عارفی نے اظہارِ تشکر کرتے ہوئے بتایا کہ اردو والوں بالخصوص نوجوانوں میں ادبی ذوق کو پروان چڑھانے کے لیے انجمن ریختہ گویان ہر ممکن طور پر سرگرمِ عمل ہے۔ انھوں نے تمام معزز مقررین و شرکا سے اظہارِ تشکر کرتے ہوئے ہر اتوار کو زیادہ سے زیادہ تعداد میں شرکت کی خواہش کی۔
(راشٹریہ سہارا۔ دہلی)

ابنِ صفی کے کلام کو دیگر زبانوں میں ترجمہ کر کے دوسروں تک پہنچائیں: پروفیسر نوین چند لوہنی

شعبۂ اردو چودھری چرن سنگھ یونی ورسٹی میں 'عالمی جائزہ' کے 'ابنِ صفی نمبر' کا اجرا

میرٹھ (27 مئی، پریس ریلیز)۔ چودھری چرن سنگھ یونیورسٹی کے شعبۂ اردو میں 'عالمی جائزہ' کے ابنِ صفی نمبر کی تقریبِ اجرا میرے لیے کسی اعزاز سے کم نہیں۔ یہ ثبوت ہے نہ صرف اسلم جمشید پوری کی ژرف نگاہی اور ادب نوازی کا بلکہ ابنِ صفی کی فن کارانہ عظمت اور اردو قارئین میں ان کی مقبولیت کا کہ مختلف اردو اداروں اور دانش گاہوں سے اس قسم کی تقاریبِ اجرا کے لیے مجھے مدعو کیا جا رہا ہے۔ یہ الفاظ تھے 'عالمی جائزہ' کے مدیر اور عالمی اردو ٹرسٹ کے چیئر مین اے. رحمان کے جو شعبۂ اردو میں منعقد 'ابنِ صفی نمبر' کی اجرا کی تقریب میں مہمانِ اعزازی کے طور پر اپنی تقریر میں ادا کر رہے تھے۔

انھوں نے مزید کہا کہ میں نے آج سے چھیاسٹھ سال قبل ابنِ صفی کا پہلا ناول پڑھا تھا اور اب تک ان کے سبھی ناول چھیاسٹھ بار پڑھ چکا ہوں۔ ابنِ صفی کی لوگوں کو لت لگ جاتی تھی۔ ابنِ صفی کو جس نے بھی ایک بار پڑھ لیا وہ ان کا عادی ہو گیا۔

اس سے قبل پروگرام کا آغاز قاری انیس الرحمٰن نے تلاوتِ کلام پاک سے کیا۔ ہدیۂ نعت نزہت اختر اور فرحت اختر نے ابنِ صفی کی غزل پیش کر کے سماں باندھ دیا۔ پروگرام کی صدارت کے فرائض معروف ادیب و ناقد پروفیسر اسلم جمشید پوری نے انجام دیے۔ مہمانانِ خصوصی کے طور پر پروفیسر نوین چند لوہنی (صدر شعبۂ ہندی، چودھری چرن سنگھ یونی ورسٹی، میرٹھ) اور میرٹھ کے شہر قاضی ڈاکٹر زین السالکین نے شرکت فرمائی جب کہ مہمانانِ اعزازی کے بطور اے. رحمٰن (مدیر: 'عالمی جائزہ' اور چیئر مین عالمی اردو ٹرسٹ، نئی دہلی) اور روز نامہ 'سائبان' اور جرنلزم 'ٹوڈے' کے مدیر جاوید رحمانی شریک ہوئے۔ پروگرام کی نظامت کے فرائض شعبے کے استاد ڈاکٹر آصف علی، تعارف ڈاکٹر ارشاد سیانوی، استقبالیہ کلمات ڈاکٹر شاداب علیم اور شکریے کی رسم ڈاکٹر الکا وششٹھ نے انجام دی۔

مائنارٹی ایجوکیشنل کے صدر آفاق احمد خاں نے کہا کہ دورانِ طالبِ علمی ابنِ صفی کے ناولوں کو پڑھنے کی ہم میں دیوانگی اتنی تھی کہ الٰہ آباد سے نکلنے والی میگزین جس میں ابنِ صفی کے ناول شائع ہوتے، اسے لینے کے لیے ریلوے اسٹیشن پر پہلے ہی پہنچ جایا کرتے تھے اور چار پانچ روز میں پڑھ کر ختم کر دیتے۔ ابنِ صفی کے ناولوں کو جب ہم پڑھتے ہیں اس میں جس ماحول کا وہ ذکر کرتے ہیں اسے پڑھ کر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے ہم وہیں پہنچ گئے ہوں۔

اس موقعے پر اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے جاوید رحمانی صاحب نے کہا کہ ابنِ صفی کے بارے میں کچھ کہنا سورج کو چراغ دکھانے کے مانند ہے۔ ابنِ صفی نہ صرف ہمارے دلوں میں زندہ رہیں گے بلکہ ادب کے لیے تابندہ رہیں گے۔ بچوں کو ابنِ صفی کا مطالعہ ضرور کرنا چاہیے۔

پروفیسر نوین چند لوہنی نے کہا کہ ناول کیوں پڑھنے چاہئیں اگر زبان کی قواعد کو جاننا ہے تو ناول کو پڑھنا ضروری ہو جاتا ہے۔ ایک اچھے ادیب کی تحریریں خواہ وہ مقبول نا ہوئی ہوں انھیں بچوں تک ضرور پہنچانی چاہئیں۔ ابنِ صفی کے کلام کو دیگر زبانوں میں ترجمہ کر کے دوسروں تک پہنچائیں۔

قاضی زین الساجدین نے کہا کہ اردو زبان کے فروغ کے لیے جو کام پروفیسر اسلم جمشید پوری نے کیا وہ بہت ہی کم لوگ کر پائے ہیں۔ انھوں نے مزید کہا کہ ریسرچ اسکالر کو لکھتے رہنا چاہیے اور نئے دور کے مسائل اور ضرورت کو پیشِ نظر رکھ کر لکھنا چاہیے۔

اپنے صدارتی خطبے میں پروفیسر اسلم جمشید پوری نے کہا کہ ہمارے گھر میں ابنِ صفی کے ناولوں کا ذخیرہ تھا، میں نے انھیں پڑھ کر ہی اردو سیکھی۔ ابنِ صفی نے آج سے ستر سال پہلے جن چیزوں کو لکھا تھا وہ آج کے ماحول پر صادق آتی ہیں، ابنِ صفی آج کے زمانے کے رائٹر ہیں، ابنِ صفی کی نقل کرنے والوں کی ایک قطار ہے، ابنِ صفی نے جو بھی ناول لکھے انھیں ادب کے زمرے میں شامل ہونا چاہیے۔ اے. رحمٰن نے بہت بڑا کام کیا ہے۔ ابنِ صفی نمبر نکالنا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ اس موقعے پر سابق کمشنر آر. کے بھٹنا گر نے بھی اظہارِ خیال کیا۔

پروگرام میں ڈاکٹر محمد یونس غازی، ڈاکٹر جے ویر سنگھ رانا، ڈاکٹر بھوپیندر پرتاپ سنگھ، ڈاکٹر نریندر سنگھ، ڈاکٹر اسلم صدیقی، ڈاکٹر عفت ذکیہ، ڈاکٹر شبستاں آس محمد، ڈاکٹر ابراہیم افسر، ڈاکٹر فرح ناز، ڈاکٹر تابش فرید، انجینئر رفعت جمالی، اطہر خان، دیپک شرما، عابد سیفی، کشش، اریبہ اور کثیر تعداد میں طلبہ و طالبات موجود رہے۔

اردو کے ممتاز افسانہ نگار انیس رفیع کے انتقال پر ادیبوں کا اظہارِ تعزیت

حاجی پور (8 جون)۔ کاروانِ ادب، حاجی پور کے جنرل سکریٹری انوار الحسن وسطوی کی اطلاع کے مطابق اردو کے ممتاز افسانہ نگار جناب انیس رفیع کا گذشتہ 6 جون 2025 کی شب میں تقریباً دو بجے کولکاتہ میں انتقال ہو گیا اور 7 جون کو بعد نمازِ عصر ان کی تدفین کولکاتہ کے باگماری قبرستان میں عمل میں آئی۔ انتقال کے وقت ان کی عمر تقریباً 80 برس تھی۔ گذشتہ چند برسوں سے موصوف کی علالت کا سلسلہ چل رہا تھا۔ چند ماہ سے وہ صاحبِ فراش بھی تھے۔ مرحوم کے پس ماندگان میں ان کی اہلیہ نوشابہ پروین، دو بیٹے اور ایک بیٹی ہیں۔ انیس الرحمٰن خاں ابن حاجی محمد رفیق خاں ادبی دنیا میں 'انیس رفیع' کے نام سے مشہور ہوئے۔ مرحوم کے بڑے بھائی مجیب الرحمٰن خاں مظہر اردو کے پختہ اور کہنہ مشق شاعر تھے جن کا پہلے ہی انتقال ہو چکا ہے۔ انیس رفیع صاحب کا آبائی وطن ریاست بہار کے شہر حاجی پور (ویشالی) کے قریب موضع سلیم آباد پھنہرا ہے۔ موصوف علمِ سیاسیات میں ایم اے کے ساتھ ایل ایل بی کی ڈگری سے بھی سرفراز تھے۔ انیس رفیع نے تعلیم سے فراغت کے بعد مدرسہ عالیہ کولکاتہ میں درس و تدریس کے فرائض انجام دیے، پھر جے ایل کالج حاجی پور میں پولٹیکل سائنس کے لکچرر بحال ہوئے۔ 1975 میں یو پی ایس سی کے ذریعے آل انڈیا ریڈیو میں ملازمت حاصل کی۔ پہلے آل انڈیا ریڈیو گورکھپور پھر کولکاتہ اور پٹنہ میں پروگرام ایکزیکیٹو کے عہدے پر فائز رہے۔ 1991 میں دوردرشن کے اسسٹنٹ ڈائرکٹر بنائے گئے اور بالترتیب دہلی، پونہ (مہاراشٹر) اور کولکاتہ میں اپنے فرائض انجام دیے۔ ترقی پا کر وہ ڈائرکٹر ہوئے اور ڈبروگڑھ (آسام)، مظفر پور (بہار) اور کوہیما (ناگالینڈ) میں مامور رہ کر 2005 میں ملازمت سے سبک دوشی حاصل کی۔ ملازمت سے سبک دوشی کے بعد پٹنہ اگنو سنٹر میں اپنی خدمات انجام دی۔ 2008 میں بحیثیت وزیٹنگ فیلو علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی میں شعبۂ ماس کمیونی کیشن میں درس و تدریس کے فرائض انجام دیے، بعد کے دنوں میں صحت کی خرابی کے سبب علی گڑھ جانا بند ہو گیا۔

جناب انیس رفیع ایک ممتاز افسانہ نگار کی حیثیت سے اپنی شناخت رکھتے تھے۔ ان کے تین افسانوی مجموعے 'اب وہ اترنے والا ہے'، 'کرفیو سخت ہے' اور 'گداگر سرائے' شائع ہو کر مقبول ہوئے۔ ان کے تنقیدی مضامین کا ایک مجموعہ بھی شائع ہو چکا ہے۔ ... (بقیہ صفحہ 7 پر)

ونود کمار ترپاٹھی کی نظم گوئی

(بقیہ صفحہ 8 سے آگے)

بھی ہورہا ہے،
جودکھ رہا ہے،
مفید ہے وہ

ترپاٹھی صاحب کی نظم 'کاش' فکری وجذباتی گہرائی کی حامل نظم ہے جوانسانی آرزوؤں، ناکامیوں اور سماجی جدوجہد کے موضوعات کو عالمی معیار کے شعری اسلوب میں پیش کرتی ہے۔ شاعراپنی ذات کو ایک ایسی کشتی سے تشبیہ دیتا ہے جوسمندر کی لہروں سے لڑتی ہے مگر ساحل تک نہیں پہنچ پاتی، جواس کے اندرونی اضطراب اور غیر مکمل خواہشات کی عکاسی کرتی ہے۔ نظم میں ہندی اور اردو لفظیات کا خوب صورت استعمال کیا گیا ہے۔ شاعراپنی ناکامیوں کو کھلے دل سے تسلیم کرتا ہے، جیسے کہ 'میں نے رستا وہ چنا راس نہ جو آیا تھا' یہ مصرع شاعر کی خوداحتسابی اورایمانداری کوظاہر کرتا ہے۔ اس کے علاوہ، نظم میں سماجی ظلم کے خلاف بغاوت اور خوابوں کی تکمیل کی خواہش جیسے موضوعات کو بڑی شدت سے بیان کیا گیا ہے، جوقاری کواپنے عزائم اور ناکامیوں پرغور کرنے پر مجبور کرتے ہیں۔ تاہم، نظم کا لہجہ آخر میں افسردگی و مایوسی کی طرف مائل ہوتا ہے، جہاں شاعرخودکومغلوب سکندر کہہ کراپنی شکست خوردگی کوایک عظیم تاریخی شخصیت کے تناظر میں پیش کرتا ہے۔ یہ نظم فلسفیانہ گہرائی، جذباتی صداقت اور شاعرانہ حسن کا ایک شاندار نمونہ ہے۔ نظم کے کچھ مصرعے ملاحظہ کیجیے:

اپنے شانے پہ کئی بوجھ لیے برسوں سے
رہ گزر میں تھکا بے سود سفر کرتا ہوں
میں ہوں گردابِ سمندر سے الجھتی کشتی
جس کی قسمت میں ہے بس مرگِ وجودِ ہستی
میں وہ گل ہوں جومہکتا تو ہے آنگن میں مرے
جس سے دنیا کو کوئی رنگ نہ خوشبو ہی ملے
مجھ میں مغلوب سکندر کے سوا کچھ بھی نہ دیکھ
مجھ میں اے یار مرے فضل وکمالات نہ دیکھ

اسی طرح نظم 'یقین' میں وہ جذبات کی گہرائی میں ڈوب کر کہتے ہیں:

بے سبب میری وفاؤں پہ سوالات نہ کر
اہلِ دنیا مجھے اب بھی ہے محبت تجھ سے
میں نے تیرے لیے خود سے بھی بغاوت کی ہے
اس سے آگے تو بتا اور کہوں کیا تجھ سے

غنائیت ونودکمار ترپاٹھی کے نظمیہ اسلوب کا ایک اہم جزو ہے۔ نظم 'پری خانہ' کے مصرعوں میں ایسی موسیقی ہے جو قاری کے دل و دماغ کو جھنجھوڑتے ہوئے اسے ایک مسحور کن سفر پر لے جاتی ہے۔ مثلاً:

ہونٹوں پہ شباہت رکھوں میں گرم ومقطر
گستاخیوں سے میری ہو تبدیل مقدر
غزلوں کو تیری ہستی وسیرت سے سجادوں
نغمات و سخن، بحر کا پیمانہ بنادوں
ایک شمع تجھے، خودکو میں پروانہ بنا دوں
تو آئے تو اس گھر کو پری خانہ بنا دوں

ونودکمار ترپاٹھی کی شاعری محض ذاتی جذبات تک محدود نہیں بلکہ وہ سماجی مسائل اورانسانی کرب کو بھی اپنی نظموں کا موضوع بناتے ہیں۔ نظم 'بے حسی' ایک گہری سماجی اور نفسیاتی بصیرت کی حامل تخلیق ہے جو انسانی بے حسی، معاشرتی عدمِ مساوات اوربچپن کی معصومیت کے زوال کو موضوع بناتی ہے۔ شاعر نے تین مختلف واقعات کے ذریعے معاشرے کی بے رحمی اورانسانیت کے کمزور ہوتے احساسات کو بڑی خوب صورتی سے پیش کیا ہے۔ پہلا منظر ایک بوڑھے شخص کی تکلیف دہ زندگی کو دکھاتا ہے جو غربت اور کمزوری کے باوجود زندگی کی چاہ رکھتا ہے، مگر شاعر کی اپنی بے حسی اسے اس درد سے لاتعلق رکھتی ہے۔ دوسرا منظر بچوں کے کھلونوں پر جھگڑے کی تصویر کشی کرتا ہے، جومعصومیت کے بجاے مادی خواہشات کی شدت کوظاہر کرتا ہے۔ تیسرا منظر ایک اچھوت سمجھے جانے والے شخص کے ساتھ شاعر کی ہمدردی اوراس کے ردِعمل کو بیان کرتا ہے، جوایک لمحاتی انسانی رشتے کی گرمی کو دکھاتا ہے، لیکن آخر میں شاعر کی خود کی بے حسی کا اعتراف نظم کا سب سے پُراثر لمحہ ہے۔ شاعر کا لہجہ سادہ لیکن گہرا ہے، جوقاری کواپنی ذاتی بے حسی پرغور کرنے پر مجبور کرتا ہے۔ تاہم، نظم کا تکراری مصرعہ 'میں بے حس و بے علم ہوا ہوں' کبھی کبھار یکسانیت کا احساس دلاسکتا ہے، لیکن یہ شاعر کی داخلی کشمکش اور معاشرتی بے حسی کی عالمگیریت کواجاگر کرنے میں کامیاب ہے۔ یہ نظم اپنی سادگی اور گہرائی کے امتزاج سے ایک فکرانگیز پیغام دیتی ہے کہ ہمارے اندر کی بے حسی ہمیں انسانیت سے دور کررہی ہے۔

نظم 'دشواریاں' میں انسانی زندگی کی پیچیدگیوں کوخدا سے مخاطب ہوکر بیان کیا گیا ہے:

اے خدا! کچھ دیر انسان بن کے دیکھ
مشکل و دشوار ہے کتنی حیات

یہ نظم انسانی زندگی کی مشکلات اورسماجی پابندیوں کو بیان کرتی ہے، جہاں شاعرخدا سے انسان بن کر زندگی کی کشمکش کوسمجھنے کی التجا کرتا ہے۔ نظم زندگی کے تضادات، منزلوں کی جدوجہد اور سماجی رسومات کے دباؤ کو سادہ مگر جذباتی انداز میں پیش کرتی ہے۔ نظم کا مصرعہ 'اے خدا! کچھ دیر انسان بن کے دیکھ' انسانی کمزوری کی عالمگیر فریاد کواجاگر کرتا ہے۔

نظم 'تلاش' ایک مثالی دنیا کی خواہش کو بیان کرتی ہے جہاں تفریق، نفرت، غربت اور جبر کا کوئی وجود نہ ہو۔ شاعر ایک ایسی زمین کی تلاش میں ہے جہاں نہ اپنوں اور غیروں میں فرق ہو، نہ دشمنی ہو، نہ راز اور نہ مادی تفاوت۔ یہ نظم ایک یوٹوپیائی تصور پیش کرتی ہے جہاں نہ فاتح ہو نہ مغلوب، نہ تنہائی ہو نہ موت کا خوف۔ شاعر کا لہجہ سادہ لیکن پرجوش ہے، جوانسانی فطرت کی پاکیزگی اور مساوات کی خواہش کی عکاسی کرتا ہے۔ تاہم، نظم کا تصوراتی انداز حقیقت سے کچھ دور نظر آتا ہے، جواسے کبھی کبھار غیرعملی بنادیتا ہے۔ پھر بھی، اس کی سادگی اور گہرا پیغام قاری کوایک بہتر دنیا کے خواب کی طرف راغب کرتا ہے، جوسماجی اور انسانی ہم آہنگی کی اہمیت کواجاگر کرتی ہے۔ نظم کے چند مصرعے ملاحظہ ہوں:

زمین تلاشیں کوئی، جہاں ہو
نہ اپنوں غیروں میں فرق کوئی
نہ ہو عداوت، نہ کوئی احباب
کسی سے شکوہ گِلہ نہ کوئی

ونودکمار ترپاٹھی کی شاعری میں ایک گہری فلسفیانہ بصیرت پنہاں ہے جوان کی نظموں کوایک عمیق فکری تجربہ بناتی ہے۔ وہ انسانی وجود، زندگی کی بے ثباتی اورمعنویت کی تلاش جیسے سوالات کواپنی شاعری کا موضوع بناتے ہیں۔ نظم 'خلش' انسانی دل کی بے چینی، وجودی اضطراب اورزندگی کی بے مقصدسی جدوجہد کو بڑی گہرائی سے بیان کرتی ہے۔ شاعراپنے اندراٹھنے والی ایک مسلسل خلش یابےقراری کوموضوع بناتا ہے، جواسے بے راہ اور بے مقصد بنانے پرآمادہ ہے۔ نظم کا لہجہ جذباتی اورفلسفیانہ ہے، جوزندگی کی بے معنویت، ارمانوں کے بکھرنے اوروقت کے سرد و بے رحم موسم کی تصویر کشی کرتا ہے۔ شاعراپنی زندگی کو ٹوٹتے پتوں اورشیشے کی مانند نازک وجود سے تشبیہ دیتا ہے۔ شاعر کا سادہ لیکن عمیق اسلوب اورتشبیہات کا خوب صورت استعمال نظم کوایک فکرانگیز اوردل کوچھونے والی تخلیق بناتا ہے۔ نظم کے چند مصرعے ملاحظہ کیجیے:

ایک خلش پھر سے ہے مخمور میرے سینے میں
بے دم و اصل مجھے کون کیے جاتا ہے
کس تذبذب میں گزرتی ہے میری شام وسحر
کون ہے جو مجھے بے راہ کیے جاتا ہے

اسی طرح نظم 'امید' میں شاعرزندگی کی مشکلات کے سامنے حوصلے اور امید کی اہمیت کویوں پیش کرتا ہے:

جو حوصلہ نراش ہو
نہ کوئی آس پاس ہو
زمانہ بے وفا لگے
ہر ایک شے خفا لگے
سمجھ لو آئی جو گھڑی
ہے امتحان کی کڑی

یہ مصرعے سادہ زبان میں ایک گہرا فلسفیانہ پیغام رکھتے ہیں، جوزندگی کی مشکلات کے مقابلے میں استقامت کی اہمیت کواجاگر کرتے ہیں۔

ونودکمار ترپاٹھی کی شاعری نہ صرف ایک ادبی تجربہ ہے بلکہ ایک جمالیاتی اورنفسیاتی سفربھی ہے۔ ان کی زبان کی خوب صورتی، استعاروں کی گہرائی اورمنظرکشی کی طاقت قاری کے ذہن میں مختلف تصاویر ابھارتی ہیں۔ مثال کے طور پر، نظم 'روشنی' ایک گہری فلسفیانہ اورجذباتی کیفیت کی عکاسی کرتی ہے، جوانسانی روح کی بے چینی اور روشنی کی تلاش کوموضوع بناتی ہے۔ شاعراس روشنی کے ماخذ کی جستجو میں ہے جونہ شمع سے، نہ جگنو سے، نہ ستاروں سے آتی ہے، بلکہ ایک ایسی باطنی روشنی ہے جودل و روح پراثر کرتی ہے۔ نظم کا لہجہ پُرسکون لیکن سوالیہ ہے، جوزندگی کے معنی، قسمت اورامید کے فقدان کو بیان کرتا ہے۔ شاعرطوفانوں، بے مقصد لکیروں اورایک بچے کی مسکراہٹ جیسی تشبیہات سے وجود کی بے یقینی اور بے بسی کواجاگر کرتا ہے۔ دوسرا حصہ ایک ایسی ہستی کی طرف اشارہ کرتا ہے جوخاموش، بوجھل اورلڑکھڑاتی ہوئی آتی ہے، جوشاید شاعر کی اپنی داخلی کشمکش کی علامت ہے۔ البتہ نظم کبھی کبھار اپنی تجریدی زبان کی وجہ سے مبہم ہوجاتی ہے۔ اس کے باوجود، اس کا خوب صورت اسلوب اور گہری تشبیہات قاری کواپنی اندرونی روشنی کی تلاش پرغور کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔ نظم کا یہ بند ملاحظہ کیجیے:

روشنی یہ کہاں سے آتی ہے
شمع کوئی، کہاں کوئی جگنو
کوئی اختر، نہ ماہ و مہر کوئی
لفظِ الفت سے روح و دل پہ مرے
کچھ لکیریں سی کھینچتا ہے کوئی

نظم 'عذاب' میں شاعررشتوں کی پیچیدگیوں کویوں پیش کرتا ہے:

جانے کیوں تعلق یہ اک عذاب لگتا ہے
بدگماں تخیل سا اک غبار اٹھتا ہے

یہ مصرعے انسانی نفسیات کی گہرائیوں کو چھوتے ہیں اور ہمیں اپنے رشتوں اورجذبات پرغور کرنے پر مجبور کرتے ہیں۔

ترپاٹھی کی نظم گوئی کی ایک اوراہم خصوصیت ان کی تکنیکی مہارت

ہے۔ وہ بحور واوزان کے استعمال میں ماہر ہیں، یہ وصف ان کی پابند نظموں کی غنائیت اور روانی کو بڑھاتا ہے۔ان کی آزاد نظمیں بھی فکر کی گہرائی اور منظر کشی کی طاقت سے لبریز ہیں۔ان کی نظموں میں استعمال ہونے والے استعاروں اور علامتوں، جیسے کہ شمع، پروانہ، گرداب اور روشنی، نہ صرف جمالیاتی نظر سے اہم ہیں بلکہ قاری کے ذہن میں ایک گہری فکری کیفیت بھی پیدا کرتے ہیں۔ان کی نظموں میں منظر کشی کی طاقت ایسی ہے کہ قاری خود کو شاعر کے تخیل کے عالم میں کھو جانے پر مجبور پاتا ہے۔ مثال کے طور پر، نظم 'ترشح' انسانی جذبات کی گہرائی، تنہائی، اور امید کے نازک لمحات کو بڑی خوب صورتی سے بیان کرتی ہے۔شاعر اپنی ابتدائی خاموشی، غم اور بے حسی کو ایک ایسی دنیا کے طور پر پیش کرتا ہے جہاں اس کی آواز دب چکی تھی اور چہرہ خزاں رسیدہ تھا۔اچانک ایک ہلکی سی تبدیلی، ایک 'ترشح' (ہلکی بارش) کی مانند اس کے اندر امید اور حرارت جگاتی ہے، جو زندگی میں تراوٹ اور خوابوں کی واپسی کی علامت ہے۔نظم کا دوسرا حصہ شاعر کی خواہش کو ظاہر کرتا ہے کہ وہ اس لمحاتی امید اور تنہائی کے دائرے میں کچھ دیر اور جینا چاہتا ہے، کیوں کہ اسے خوف ہے کہ یہ کیفیت عارضی ہوسکتی ہے۔شاعر کا لہجہ جذباتی اور فلسفیانہ ہے، جو تنہائی اور امید کے درمیان توازن کو باریک بینی سے پیش کرتا ہے۔نظم کے یہ مصرعے ملاحظہ کیجیے:

یہ کہہ دو جستجوؤں سے ابھی کروٹ نہ وہ بدلیں
ابھی تاریکیِ شب میں مجھے کچھ اور جینے دیں
ابھی کچھ اور درد وغم کے پیمانے چھلکنے دیں
ابھی تنہائیوں کے دائرے میں مجھ کو رہنے دیں
نہ جانے پھر سے کس در پر قدم یک لخت رک جائیں
ثبات آجائے کس پل وقت جانے کب ٹھہر جائے

ونود کمار ترپاٹھی کی شاعری کا ایک نمایاں وصف اس کا عالمی پس منظر بھی ہے۔ان کی نظمیں نہ صرف اردو ادب کے قارئین کے لیے ایک بیش بہا تحفہ ہیں بلکہ عالمی ادب کے شائقین کے لیے بھی ایک قیمتی سرمایہ ہیں۔ان کی شاعری میں موجود موضوعات، جیسے کہ عشق، ناسٹلجیا، سماجی ناہمواری اور وجودی سوالات، عالمگیر اہمیت کے حامل ہیں اور ہر زبان، ثقافت اور خطے کے قاری سے جڑتے ہیں۔ان کی نظموں میں استعمال ہونے والے استعارات اور علامات، مثلاً بارش، روشنی، سایہ، اور سفر، عالمی ادب کی روایت سے ہم آہنگ ہیں۔ان کی شاعری میں روایت اور جدیدیت کا امتزاج انھیں ایک منفرد مقام عطا کرتا ہے۔ وہ روایتی اردو شاعری کے کلاسکی اسلوب کو برقرار رکھتے ہوئے جدید موضوعات کو اپناتے ہیں۔ ان کی نظموں میں وہ گہرائی، تنوع اور عالمگیریت موجود ہے جو عظیم ادب کا معیار بنتی ہے۔ان کی شاعری کا مطالعہ نہ صرف اردو ادب کے طلبہ کے لیے بلکہ عالمی ادب، فلسفہ اور نفسیات کے طلبہ کے لیے بھی ایک عمیق تجربہ فراہم کرسکتا ہے۔ان کی شاعری ایک ایسی روشنی ہے جو ہر دل کو منور کرتی ہے، ایک ایسی آواز جو ہر روح کو جھنجھوڑتی ہے، اور ایک ایسی تصویر جو ہر ذہن میں نقش ہو جاتی ہے۔ان کی نظمیں ہر اس شخص کے لیے ایک دعوتِ فکر ہے جو زندگی کے گہرے سوالات سے دوچار ہونا چاہتا ہے۔ان کا ادبی ورثہ عالمی ادب کے افق پر ایک ایسا ستارہ ہے جو نہ صرف عصرِ حاضر کی بلکہ آنے والی نسلوں کی بھی راہیں روشن کرتا رہے گا۔

ڈاکٹر ذاکر خاں
B303, Aibani Classic, Captain Suresh Samant Marg, SV Road, Jogeshwari West, Mumbai 400102
E-mail khanzkr@gmail.com
Mobile: 9987173997

سنہ ہجری کے آغاز کی اخلاقی اساس

(بقیہ صفحہ 3 سے آگے)

اس طرح ہجرت مظلوموں کی نہیں مدینہ کی فتح کی یادگار بن گئی، حضرت عائشہ صدیقہؓ کے الفاظ میں:

''مدینہ کو تلوار نے نہیں قرآن نے فتح کیا ہے۔''

کسی قوم کی خوش اقبالی کا اندازہ لگانے کے لیے یہ کافی ہے کہ وہ اپنے گزرے ہوئے کن واقعات کی یاد تازہ رکھنا چاہتی ہے، یادگار کے لیے واقعات کا انتخاب اس قوم کی ذہنی افتاد وارتقا کا پیام دیتے ہیں، اسلام جو فتح وشکست کا ایک منفرد معیار رکھتا ہے، اس کے نزدیک سب سے بڑی فتح انسانوں پر قبضہ کرنا نہیں دلوں کی آبادیوں اور روح کی اقلیموں کو سر کرنا ہے گویا:

''جو دلوں کو فتح کرلے وہی فاتحِ زمانہ''

عارف عزیز
20-گھاٹی بھڑ بھونجہ روڈ، تلیا، بھوپال-462001
E-mail:arifazizbpl@rediffmail.com
Mob.09425673760

اردو کے ممتاز افسانہ نگار انیس رفیع کے انتقال پر
ادیبوں کا اظہارِ تعزیت

(بقیہ صفحہ 5 سے آگے)

موصوف عرصے سے کولکاتہ میں سکونت پذیر تھے لیکن گاہے بگاہے وہ اپنے آبائی وطن تشریف لایا کرتے تھے۔ضلع کے ادیبوں بالخصوص ڈاکٹر ممتاز احمد خاں (مرحوم) سے ان کا گہرا لگاو تھا۔گذشتہ ربع صدی کے درمیان یہاں موصوف کے اعزاز میں تین ادبی نشستیں منعقد کی گئیں جس میں سامعین کی گزارش پر انھوں نے اپنے افسانے سنائے۔

جناب انیس رفیع کے انتقال پر 'کاروانِ ادب' کے صدر مفتی محمد ثناء الہدیٰ قاسمی، نائب صدر ڈاکٹر بدر محمدی، جنرل سکریٹری انوار الحسن وسطوی، سکریٹریز سیّد مصباح الدین احمد اور مولانا قمر عالم ندوی کے علاوہ نسیم الدین احمد صدیقی ایڈوکیٹ، ماسٹر عظیم الدین انصاری، ڈاکٹر تابش عبیداللہ خاں اور ڈاکٹر عارف حسن وسطوی نے اپنے گہرے ملال کا اظہار کیا ہے۔اپنے مشترکہ بیان میں مذکورہ حضرات نے کہا ہے کہ انیس رفیع صاحب کا انتقال علمی وادبی دنیا کا ایک بڑا نقصان ہے بالخصوص ضلع ویشالی کا ایک ایسا ناقابلِ تلافی خسارہ ہے جس کی تلافی مستقبل قریب میں ممکن نظر نہیں آتی ہے۔مرحوم ضلع ویشالی کے ایک انمول سپوت تھے۔اللہ تعالیٰ مرحوم کی خطاؤں کو درگزر فرما کر انھیں جنت الفردوس میں اعلا مقام عطا فرمائے اور پس ماندگان کو صبرِ جمیل دے۔

اردو ہندی ڈکشنری
انجمن ترقی اردو (ہند)
قیمت: 300 روپے

اسٹینڈرڈ انگلش اُردو ڈکشنری
مولوی عبدالحق
قیمت: 500 روپے

انجمن ترقی اردو (ہند) کی چند مطبوعات

نسخۂ حفیظ الدین احمد	اطہر فاروقی	1000/-
سرودِ عشق	شاہ رُخ جمال	200/-
گل دوگانہ	سیّد کاشف رضا	300/-
مشائخِ دہلی کی جامع تاریخ	پروفیسر شریف حسین قاسمی	700/-
مقالاتِ نظامی (پانچ جلدیں)	خلیق احمد نظامی	4500/-
نگینے لوگ (خاکوں کا مجموعہ)	معصوم مرادآبادی	250/-
ہمارا شہر اُس برس (گیتا نجلی شری)	ترجمہ: آفتاب احمد	700/-
میں میر میر کر اس کو بہت پکار رہا	سرور الہدیٰ	500/-
1857 کی اَن کہی حیرت انگیز داستانیں	شمس الاسلام	300/-
دیووں کا ظہور (الوک اگروال/ مینک اگروال) مترجم: سیّد وجاہت مظہر		500/-
غزل اور فنِ غزل	ڈاکٹر نریش	200/-
فرہنگِ تلفظ: ایک تحقیقی وتنقیدی مطالعہ	سیّد رضوان علی ندوی	
	رؤف پاریکھ	250/-
مشاہیرِ ادب کے خطوط رشید حسن خاں کے نام	ابراہیم افسر	600/-
منیب الرحمٰن کی ایک صدی	بیدار بخت/ انور احمد	400/-
اردو املا اور حروفِ تہجی: لسانیاتی تناظر	رؤف پاریکھ	300/-
رموزِ اوقاف: کب، کہاں اور کیوں؟	ڈاکٹر شمس بدایونی	300/-
غروبِ شہر کا وقت	اُسامہ صدیق	900/-
کچھ اُداس نظمیں	ہربنس مکھیا	300/-
میانِ من وتو (تحقیقی وتنقیدی مضامین)	پروفیسر شاہد کمال	500/-
میرا جنون اردو (خطبات ومضامین)	طاہر محمود	700/-
میر کی خودنوشت سوانح (نثار احمد فاروقی)	صدف فاطمہ	400/-
کلّیاتِ خطباتِ شبلی	ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی	400/-
آزادی کے بعد کی غزل کا تنقیدی مطالعہ	ڈاکٹر بشیر بدر	500/-
اداریے (مشفق خواجہ)	محمد صابر	500/-
انور عظیم کی ادبی کائنات	فیضان الحق	700/-
بچوں کا گلدستہ (پانچ جلدیں)	غلام حیدر	2400/-
تحقیق وتوازن	ڈاکٹر نریش	250/-
تحقیقی مباحث	رؤف پاریکھ	300/-
چند فکری وتاریخی عنوانات	پروفیسر حکیم سیّد ظل الرحمٰن	400/-
ریت سمادھی (گیتا نجلی شری)	ترجمہ: آفتاب احمد	900/-
حکمِ سفر دیا تھا کیوں	شانتی ویرکول	200/-
عہدِ وسطیٰ کی ہندستانی تاریخ کے چند اہم پہلو	اقتدار عالم خاں	350/-
قدرت کا بدلا (موسم کا بدلاؤ)	سیّد ضیاء حیدر	600/-
کتابیاتِ حالی	ڈاکٹر ارشد محمود ناشاد	300/-
یہ تو عشق کا ہے معاملہ	ڈاکٹر ہلال فرید	300/-
جب دیوں کے سر اُٹھے	ڈاکٹر ہلال فرید	360/-
سیر المنازل (مرزا سنگین بیگ)	شریف حسین قاسمی	600/-
محرابِ تمنا	فطرت انصاری	200/-
مکتوباتِ مولوی عبدالحق بنام مشاہیر...	میر حسین علی امام،	
	یاسمین سلطانہ فاروقی	700/-
لفظ (کلیاتِ زہرا نگاہ)	زہرا نگاہ	500/-
In This Live Desolation (Autobiography of Akhtarul Iman)	ترجمہ: بیدار بخت	500/-
سخنِ افتخار (کلیاتِ افتخار عارف)	افتخار عارف	1500/-
گواہی (شاعری)	گوہر رضا	500/-
میری زمین کی دھوپ (ہندی)	ونود کمار ترپاٹھی بشر	400/-
کھُلا دروازہ	ڈاکٹر نریش	250/-
ٹیپو سلطان کا خواب (گریش کرناڈ)	محبوب الرحمان فاروقی	300/-
اپنی دنیا آپ پیدا کر	غلام حیدر	900/-
وقائعِ بابر	ظہیرالدین محمد بابر	1000/-

ونود کمار ترپاٹھی کی نظم گوئی

ذاکر خاں

اردو نظم گوئی کی روایت صدیوں پر محیط ایک ایسی شاندار داستان ہے جو زبان و بیان کی گہرائی، فکری وسعت، اور جذباتی شدت سے آراستہ و پیراستہ ہے۔ اس کی جڑیں فارسی، عربی اور مقامی ہندستانی زبانوں کے اثرات سے پروان چڑھیں، جو دکن کے عظیم ادبی مراکز سے لے کر شمالی ہندستان کے علمی حلقوں تک پھیلتی چلی گئیں۔ اس روایت کی ابتدا صوفیانہ افکار، اخلاقی تعلیمات اور عرفانی خیالات سے ہوئی، جو وقت کے ساتھ رومانوی، سماجی، سیاسی اور فلسفیانہ موضوعات کی طرف مائل ہوتی گئی۔ اٹھارہویں اور انیسویں صدی میں محمد حسین آزاد اور الطاف حسین حالؔی جیسے شعرا نے اردو نظم کو ایک نئی جہت عطا کی، جہاں اسے رومانیت، سماجی شعور، اور قومی بیداری سے ہمکنار کیا گیا۔ بیسویں صدی میں ترقی پسند تحریک نے فیض احمد فیض، مخدوم محی الدین، اور ساحر لدھیانوی جیسے عظیم شعرا کے ذریعے سماجی ناہمواری، آزادی اور انسانی حقوق کے موضوعات کو اجاگر کیا۔ علامہ اقبالؔ نے اپنی نظموں میں فلسفیانہ بصیرت اور قومی شعور کو سمو کر اسے ایک عظیم الشان مقام عطا کیا۔

جدید دور میں اردو نظم گوئی نے پابند اور آزاد نظموں کے امتزاج کے ذریعے اپنی لچک اور تنوع کو مزید وسعت دی۔ اس نے ذاتی جذبات، نفسیاتی گہرائی اور عالمی موضوعات جیسے ماحولیات، ٹیکنالوجی، اور انسانیت کے مسائل کو اپنایا۔ یہ ارتقا اردو نظم گوئی کی عالمگیریت اور اس کی مسلسل توانائی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ اس روایت کے تازہ ترین نمائندوں میں ایک اہم نام ونود کمار ترپاٹھی کا بھی ہے، جن کی نظموں کا مجموعہ 'میری زمین کا چاند' انجمن ترقی اردو (ہند کے توسط سے شائع ہو کر ادبی حلقوں میں پذیرائی حاصل کر چکا ہے۔

ونود کمار ترپاٹھی کی نظم گوئی زبان و بیان کی جادوگری، خیالات کی گہرائی اور موضوعات کی وسعت کے اعتبار سے عالمی معیار کی حامل ہے۔ ان کا مجموعہ 'میری زمین کا چاند' 66 نظموں پر مشتمل ہے، جو انسانی جذبات، سماجی مسائل، وجودی سوالات اور فلسفیانہ بصیرت کا آئینہ دار ہے۔ ان کی نظموں کے عنوانات: جیسے کہ کاش، پری خانہ، عذاب، بچپن، تُو، جہانِ فردوس، اشتہا، کشتی، کرشمہ، خلش، اور ترشح، خود ایک داستان کی مانند ہیں جو قاری کو ایک گہرے جذباتی اور فکری سفر کی دعوت دیتے ہیں۔ ان کی شاعری نہ صرف عام قاری کے دل کو چھوتی ہے بلکہ ادب کے سنجیدہ حلقوں میں بھی گہری چھاپ چھوڑتی ہے۔

ترپاٹھی صاحب کی شاعری کی سب سے نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ آپ اردو، عربی اور فارسی کے الفاظ کو اس مہارت سے برتتے ہیں کہ ہر لفظ ایک گوہرِ نایاب بن کر جگمگاتا ہے۔ ان کے یہاں اضافتیں، جیسے تابِ آتش، منظرِ دہر، سازشِ درد، گمانِ عشق، بزمِ آشنا، سیلابِ الم، مائلِ گمرہی، روحِ مضطر، غیرتِ عشق، نشۂ دیروز، حصارِ حساب و کتاب، روحِ ناشاد، وقتِ مقدر، بارشِ اشک، آتشِ چشم، محسوبِ راہِ فن، شہرِ موہوم، محفلِ غم، کشتیِ گرداب، ساغرِ چشم اور دشتِ تنہائی، ان کی شاعری کو ایک کلاسکی رنگ عطا کرتے ہوئے روایتی اردو شاعری کی عظمت کو نہ صرف برقرار رکھتی ہیں بلکہ اسے ایک جدید تناظر میں پیش کرتی ہیں۔ ان کی زبان بعض اوقات اتنی گہری اور پیچیدہ ہوتی ہے کہ عام قاری کو لغت کے صفحات الٹنے پر مجبور کر دیتی ہے، لیکن یہی پیچیدگی ان کی شاعری کی ندرت اور طاقت کا راز بھی ہے۔ مثال کے طور پر ان کی نظم کے یہ اشعار ملاحظہ کریں:

ذہنِ تخئیل میں ہر طرح کے امکاں آئے
کتنے اوہام و بھرم، مسلک و فرقاں آئے
دل میں آیا کہ یہ خدشہ بھی تو ہوسکتا ہے
خواب مجبوریِ حالات بھی ہو سکتا ہے
عشق میں حسرتِ حاصل تو ہے لازم لیکن
عشق اک حسرتِ متروکہ بھی ہوسکتا ہے

یہ اشعار نہ صرف زبان کی خوب صورتی اور فصاحت و بلاغت کی عکاسی کرتے ہیں بلکہ گہرے فلسفیانہ معانی کو بھی سمیٹے ہوئے ہیں، جو قاری کو وجود، عشق اور زندگی کے تضادات پر غور کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔

ونود کمار ترپاٹھی کی نظمیں انسانی زندگی کے ہر رنگ کو سمیٹتی ہیں۔ وہ عشق و محبت، ہجر و وصال، ناسٹلجیا، اور سماجی ناہمواری کو اپنی شاعری کا موضوع بناتے ہیں۔ ان کی نظم 'بے علم' میں وہ انسانی زندگی کی لامقصدیت کو یوں بیان کرتے ہیں:

یہاں ایسے بھی آدم ہیں
سفر جن کا نہیں کوئی
مگر چلتے ہی رہتے ہیں
ہیں ان کی منزلیں ایسی
جہاں کچھ بھی نہیں ہوتا

یہ مصرعے ایک عالمگیر حقیقت کو پیش کرتے ہیں جو ہر انسان کے تجربے سے جڑتی ہے۔ یہ نہ صرف وجودی بے چینی کو بیان کرتے ہیں بلکہ قاری کو اپنی زندگی کے مقصد پر غور کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔ اسی طرح نظم 'سایہ' میں وہ عشق کو ایک تخلیقی قوت کے طور پر پیش کرتے ہیں:

عشق و جذبات کی بارش سے مصور میرا
ذات کو میرے نئے معنی دیا کرتا ہے
کتنی زردار ہوئی جاتی ہے دنیا میری
شخصیت کو مری نایاب بنا دیتا ہے
دھوپ مٹھی میں، گل و خوشبو نفس میں بھر کر
زرد چہرے پہ مرے خوشیاں کھلا دیتا ہے

یہاں عشق کو بارش کے استعارے سے ایک عظیم تخلیقی عمل کے طور پر پیش کیا گیا ہے، جو قاری کے ذہن کو ایک نئی روشنی سے منور کرتا ہے۔

ونود کمار ترپاٹھی کی شاعری کا ایک اہم عنصر ناسٹلجیا ہے۔ نظم 'ماضی' میں وہ ماضی کی یادوں کو یوں پیش کرتے ہیں:

آج بے پردہ ہیں پھر ماضی کے پنّے پنّے
اب کے دیکھیں پسِ منظر سے ابھرتا ہے کون
اب کے کس دورِ گزشتہ پہ نظر جاتی ہے
اب کے ہے مائلِ مرکز مرا کردار ہے کون

یہ مصرعے ماضی کی کسک کو ایک ایسی تصویر کی صورت پیش کرتے ہیں جو ہر قاری کے دل کو چھو لیتی ہے۔ ان کی شاعری میں الفاظ کے انتخاب اور تراکیب کے استعمال میں روایت کی پاسداری اور جدیدیت کا امتزاج انھیں ایک منفرد مقام عطا کرتا ہے۔

ترپاٹھی کی نظم گوئی کا ایک اور نمایاں پہلو ان کی پابند اور آزاد نظموں کا امتزاج ہے۔ ان کی پابند نظمیں روایتی بحور و اوزان کی پابندی کرتے ہوئے ان کے کلاسیکی ذوق کی عکاسی کرتی ہیں، جب کہ آزاد نظمیں فکر کی آزادی اور جدیدیت کی ترجمانی کرتی ہیں۔ نظم 'کشمکش' میں وہ آزاد نظم کے اسلوب میں زندگی کے فلسفیانہ سوالات اٹھاتے ہیں:

کبھی کبھی راہ چلتے چلتے
میں کشمکش، مسائل و تنازعے
سے دور ہٹ کر
کھلی ہوا میں
یوں سانس لیتا ہوں جیسے جو کچھ

...(بقیہ صفحہ 6 پر)

ادارے کا مضمون نگاروں کی آرا سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے (ادارہ)

مدیر : اطہر فاروقی
Editor : Ather Farouqui
شریکِ مدیر: محمد عارف خاں
Joint Editor : Mohd. Arif Khan
پرنٹر پبلشر : عبدالباری
Printer Publisher : Abdul Bari
مطبوعہ : جاوید پریس، 2096، رودگراں، لال کنواں، دہلی-٦
مالک : انجمن ترقی اردو (ہند)
اردو گھر، 212، راؤز ایونیو، نئی دہلی-110002
Proprietor:
Anjuman Taraqqi Urdu (Hind)
Urdu Ghar, 212-Rouse Avenue,
New Delhi-110002
قیمت : فی شمارہ: پانچ روپے، سالانہ: 200 روپے
بیرونی ممالک: آٹھ امریکن ڈالر
Subscription: (Per Issue): Rs. 5/-, Annual: 200/-
(Foreign Countries: US $ 8)
E-mail: hamarizaban.weekly@gmail.com
http://www.atuh.org,
Phones: 0091-11-23237722

Printed and Published by ***Abdul Bari*** on behalf of Anjuman Taraqqi Urdu (Hind), Urdu Ghar, 212, Rouse Avenue, New Delhi-110002
and Printed at Javed Press, 2096, Rodgran, Lal Kuan, Delhi-110006, Editor: ***Dr Ather Farouqui***